اور میں سوچتا رہ گیا

اجمل سراج

اور میں سوچتا رہ گیا

اجمل سراج

Aur Main Sochta Reh Gaya

Collection of Ghazals

Ajmal Siraj

اشاعت: ۲۰۰۵ء

کمپوزنگ: احمد گرافکس، کراچی

طباعت: دی سمیع سنز پرنٹرز، کراچی

بی۔ ۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی۔

info@scheherzade.com

فہرست

افضال احمد سیّد

مقدمہ

اجمل سراج بہت نو عمری میں دنیائے ادب میں داخل ہوئے اور پذیرائی حاصل کی۔ مجھے وہ ایک خاص طرح کے نوجوان لگے کچھ اس طرح کے جیسا کہ شمس الرحمن فاروقی کے افسانے ''انہیں صحبتوں میں آخر'' کا مرکزی کردار اوائلِ شباب کے دور میں نظر آتا ہے۔ غالباً یہ اس لیے تھا کہ وہ اسی روایت کے پاسدار ہیں جو اس کردار یعنی میر تقی میر سے شروع ہوتی ہے۔ اک سچے شاعر کی طرح اجمل سراج ''بقدرِ نالہ مگر زیں قفس بروں آمد'' پر عمل کرتے ہوئے قفسِ زندگی کے حصار کو شاعری کے نالۂ مسلسل سے توڑ رہا ہے۔ اور یہ نالہ ایک خلا میں نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک دیوانگی کی روایت ہے اور روحِ اساطیر کی چشمِ نگراں۔

دیوانگیِ میر مجھے دیکھ رہی ہے
اک روحِ اساطیر مجھے دیکھ رہی ہے

اس طرح اجمل سراج اردو غزل کی روایت سے گہرے رشتہ میں قائم شاعری کرتے ہوئے دنیا کے لیے ایک آئینہ ہوش رُبا کی صورت اختیار کرتا ہے، اک ایسا آئینہ جس میں اپنا عکس دریافت کرنے کے لیے از روئے تماشہ کسی نے دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔

از روئے تماشہ کبھی دیکھا نہ کسی نے
میں ورنہ وہی آئینۂ ہوشربا ہوں

وجودِ دیگر کی یہ بے نیازی اجمل سراج کے موضوعات میں سے ایک ہے مگر اس نے اس موضوع کو خودترحمی سے بالاتر ہوکر برتا ہے اور اپنی چشمِ طلب کی تعلیم کچھ اس طور کرنے کی جستجو کی ہے کہ

راہِ بے مہر سے اس طور گزر چشمِ طلب
جیسے آتا ہی نہ ہو مجھ کو نظارہ کرنا

بے مہری محبوب و زمانہ کے جواب میں اجمل سراج نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ اپنے اندر کی گہرائیوں میں نمو پانے والے بے پایاں سکون کا راستہ ہے۔ اس سکون کا حصول ایک خاص رویے سے ممکن ہے جس کی بنیاد لمحۂ موجود میں فنا ہوجانے کی خواہش پر ہے۔ اجمل سراج کا دعویٰ ہے کہ اسے نہ غمِ رفتہ ہے نہ اندیشہ آئندہ۔ وہ وقت کے دھار سے آزادی حاصل کر کے زندگی کے سفر پر گامزن ہے تاکہ اس کا دل عاشقی کے شایانِ شان رہے۔

ٹک غمِ رفتہ واندیشۂ آئندہ نہیں
دل کو رکھا ہے تیری شان کے شایاں کر کے

O

پکارے نہ کوئی عرصہ گاہِ فردا سے
سو نقش راہ مٹاتا ہوا گزرتا ہوں

لمحۂ موجود میں زیست کرنے کی یہ صلاحیت وہ معراج کہاں ہے جو ہر ایک کے نصیب میں نہیں۔ اس کے حصول کے لیے متعدد مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے اور اجمل سراج کی شاعری میں جا بجا ایسے رویوں کا اظہار نظر آتا ہے جو اسے اس منزل مقصود کی جانب لے جاتے ہیں۔ ترکِ راہِ خرد بھی ان روّیوں میں سے ایک ہے۔ اجمل سراج اس بات پر نازاں اور پُر انبساط ہے کہ اسے راہِ خرد سے نجات کے لیے نشان ملا۔

بھلا ہوا کہ بڑا نقشِ پا نظر آیا
خرد کو راستہ سمجھے ہوئے تھے ہم جیسے

یہ ایک نقشِ پا کا نظارہ ہے جو اجمل سراج کو ہزار بندشوں سے آزاد کرتا ہے، ان بندشوں سے جو راہِ خرد میں انسان کو ذات و کائنات کی پیچیدگیوں میں گرفتار رکھتی ہیں۔ اک نقشِ پا سے حاصل کردہ جنونِ عشق یا وجودِ دیگر سے وابستگی ان اجزائے ارفع میں سے ہے جو اجمل سراج کو اس ارتفاعِ ذات سے روشناس کرتے ہیں کہ وہ غمِ رفتہ و اندیشۂ آئندہ سے ماورا ہو جاتا ہے اور اسے وہ شانِ استغناء حاصل ہوتی ہے جس کے سبب پوری کائنات اس کے لیے معلّم بن جاتی ہے۔ اجمل سراج کے لیے کائنات کی ہر شے ایک وسیلۂ تعلیم ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ دراصل کائنات کا وجود ہی اس لیے ہے کہ وہ اس کی تعلیم کرے۔

ستارہ ہے مری تعلیم کے لیے روشن
سوال کر کہ مجھے مہلتِ بیاں کم ہے

اجمل سراج کے لیے کائنات ایک وجودِ دیگر کا حصہ ہے جو ازل سے رقص میں ہے اور اجمل سراج اک چشمِ لازوال بن کر اسے دیکھتے ہوئے کہتا ہے۔

عجب نہیں کہ کسی آن لڑ کھڑا جائے
یہ کائنات بڑی دیر سے ہے رقص کناں

یہی قوتِ نظارہ اور بے نیازی جو اجمل سراج کی شاعری میں وقت کے حوالے سے نظر آتی ہے وہی غمِ روزگار کو بھی شکست دیتی معلوم ہوتی ہے۔ وہ خود کو خوردۂ نانِ جویں قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اس کی نمو کی کوئی صورت باقی نہیں۔ وہ اس شے کا تباہ کردہ ہے جو اس کے استعمال کے لیے بنائی گئی تھی۔

کیا کیا نمو کی صورتیں مفقود ہو گئیں
دیکھ مجھے کہ خوردۂ نانِ جویں ہوں میں

اس طرح ایک شے کے لیے خود شے میں بدل جانے کی مکمل تباہی کا اعلان کرتے ہوئے بھی اجمل سراج دراصل ایک بے نیازی کا اظہار کرتا ہے جو فتح کا اشارہ نظر آتی ہے۔

اردو غزلیہ شاعری کا اہم ترین موضوع عشق ہے۔ شاعر کی داستانِ عشق کے نازک پہلوؤں کا اظہار غزل کی روایات میں سے ہے۔ اجمل سراج نے نظر و نظارہ کے اس کھیل کو اس طرح برتا ہے کہ محبوب کا ایک واضح چہرہ اس کے شعروں میں اُجاگر ہوتا ہے۔ وجودِ دیگر یعنی کائنات اور زندگی بے معنی ہیں لیکن اس بے معنویت میں نظارۂ محبوب سے معنی کا اک دریچہ کھلتا ہے اور کائنات کی بے رنگی میں رنگوں کی ایک دھنک تشکیل پاتی ہے۔ محبوب کا وجود اس زندگی کی معنویت کے لیے اتنا ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر زندگی معدوم ہو کر ناقابلِ دید ہو جاتی ہے۔

میں چاہتا تھا مجھے زندگی نظر آئے
سو میں نے دیکھ لیا تو جہاں نظر آیا

O

وہ بھی دن تھے کہ تری خواب گیں نگاہوں سے
پکارتی تھی مجھے زندگی بھی دنیا بھی

O

محبوب کا چہرہ اور اگر چہرہ نہیں تو اس کی یاد کائنات کی بے ثباتی کا تدارک ہے۔

جو بے ثباتی عالم پہ بحث تھی سرِ بزم
میں چپ رہا کہ مجھے یاد تھا وہ چہرہ بھی

یہ دنیا خس و خاشاک ہے جس میں بدلتے موسموں کا حسن بھی رنگ پیدا نہیں کر سکتا جہاں صرف ایک یاد ہے، نظارۂ محبوب کی یاد، جو کائنات کے حسنِ نہاں کو عیاں کر دینے پر قادر ہے۔

خس و خاشاک پہ کیا رنگ بکھیرے گی بہار
صرف اک یاد ہے جو تازہ ہوئی جاتی ہے

اس طرح اجمل سراج کی شاعری میں کائنات اور محبوب سے تعلق کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس کا بنیادی استعارہ دیکھنا اور دیکھے جانے کا ہے۔ کبھی وہ اک چشمِ طلب ہے اور کبھی اک آئینہ جو کائنات کا عکاس ہے۔

شاعروں کی ایک بڑی تعداد اردو غزل میں طبع آزمائی کر رہی ہے۔ اجمل سراج نے بھی

صرف غزل کو اپنے تجربات کے اظہار کے لیے منتخب کیا ہے۔ صنفِ غزل کی قوّتِ نمو کے حدِ امکان سے گزر جانے کی بحث ہمارے ادیبوں میں جاری ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ غزل میں اب تخلیقی اظہار کی گنجائش باقی نہیں رہی اور یہ صرف فرسودہ خیالات کے غیر شاعرانہ اظہار کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اجمل سراج کی شاعری غزل کے بارے میں اس رائے کو بدلنے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ اجمل سراج کے موضوعات کے تنوّع اور خوبصورت اسلوب کو دیکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ ایک حقیقی شاعر ہے اور اک نگاہِ نظارہ شناس رکھتا ہے۔ اور اسی لیے وہ کہہ سکتا ہے کہ

نگاہ کے لیے نظارۂ جہاں کم ہے
سو یہ کھلا کہ میری عمر، رائگاں کم ہے

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب اُس مصور نے جلوہ گاہِ جمالِ احمدؐ کی ابتدا کی
تو ان نگاہوں سے مہر و ماہ و نجوم کو روشنی عطا کی

اُسی کے دیکھے سے آئنے میں جمالِ آئینۂ ساز ٹھہرا
وہ پیکرِ نور جس کے دم سے جہاں میں تعریف ہے خدا کی

وہی ہے فاراں کی چوٹیوں پر وہی ہے یثرب کی وادیوں میں
وہی لباسِ بشر میں تصویر ہے براہیم کی دعا کی

نبیٔ اُمّی سے آ کے پوچھو، مکان اور لامکاں کی باتیں
ہزار دارالعلوم صدقے وہ شان ہے خلوتِ حرا کی

وہ شہرِ طائف تو کیا کہ دنیا میں اس کا نام و نشاں نہ ملتا
بہ فیضِ رحمت ہے وہ سلامت جہاں نہایت ہوئی جفا کی

☆

اور تو خیر کیا رہ گیا
ہاں مگر اک خلا رہ گیا

غم سبھی دل سے رخصت ہوئے
درد بے انتہا رہ گیا

زخم سب مندمل ہو گئے
اک دریچہ کھلا رہ گیا

رنگ جانے کہاں اُڑ گئے
صرف اک داغ سا رہ گیا

آرزوؤں کا مرکز تھا دل
حسرتوں میں گھِرا رہ گیا

رہ گیا دل میں اک درد سا
دل میں اک درد سا رہ گیا

زندگی سے تعلق مرا
ٹوٹ کر بھی جُڑا رہ گیا

ہم بھی آخر پشیماں ہوئے
آپ کو بھی گلہ رہ گیا

کوئی مہمان آیا نہیں
گھر ہمارا سجا رہ گیا

اُس نے پوچھا تھا کیا حال ہے
اور میں سوچتا رہ گیا

جام کیا کیا نہ خالی ہوئے
درد سے دل بھرا رہ گیا

کس کو چھوڑا خزاں نے مگر
زخم دل کا ہرا رہ گیا

یہ بھی کچھ کم نہیں ہے کہ دل
گردِ غم سے اٹا رہ گیا

کام اجمل بہت تھے ہمیں
ہاتھ دل پر دھرا رہ گیا

☆

محفل کا ایک رنگ مرے دل میں رہ گیا
پھر دل کہاں کہ دل اُسی محفل میں رہ گیا

خوش تھا بہت خیال کی وسعت میں دل مرا
جو آج صرف تیرے مقابل میں رہ گیا

وہ درد جو قرار کی صورت نہ پاسکا
وہ خواب جو خیال کی منزل میں رہ گیا

مت پوچھ اختیار کی بے اختیاریاں
شورِ فغاں بھی شورِ سلاسل میں رہ گیا

ایسا ہی بے ہنر ہے کہ دل راہِ عشق کی
مشکل میں آ گیا تھا سو مشکل میں رہ گیا

ہم بھی ہیں اُس کی بزم میں عالی جناب بھی
کیا امتیاز ، ناقص و کامل میں رہ گیا

آیا نہیں عیادتِ دل کے لیے کبھی
جو شخص درد بن کے مرے دل میں رہ گیا

دنیا کی دست بُرد سے جو بچ گیا تھا دل
وہ بھی نواحِ کوچۂ قاتل میں رہ گیا

مصروف تھا کبھی جو تمنا کے باب میں
وہ دل، وہ دل بھی حیرتِ حاصل میں رہ گیا

☆

جو نہیں ہے اُسی کا رونا ہے
غم کا رونا خوشی کا رونا ہے

سُن یہ رونا نہیں گرانی کا
یہ تو بے قیمتی کا رونا ہے

سچ تو یہ ہے کہ کچھ نہیں بس میں
ہے تو بس بے بسی کا رونا ہے

نامرادی تو کیا رلائے گی
جستجو کی کمی کا رونا ہے

دلِ برباد نے کیا برباد
دلِ برباد ہی کا رونا ہے

جو کسی بات پر نہیں آتی
آج بھی اُس ہنسی کا رونا ہے

یہی رونا ہے زندگی بھر کا
جو گھڑی دو گھڑی کا رونا ہے

☆

سجا ہُوا ہے جہانِ تعلقات بہت
یہ اور بات کہ دنیا ہے بے ثبات بہت

ابھی سے اپنی تباہی کی ہے خبر مجھ کو
سنبھال رکھّے ہیں مَیں نے معاملات بہت

ابھی سے چشمِ تغیّر طلب پَر افشاں ہے
ابھی تو رنگ دکھائے گی کائنات بہت

دراصل کیا ہے جنوں ، جانتا نہیں کوئی
جنوں کے نام پہ ہوتے ہیں واقعات بہت

مَیں چُپ رہوں تو کوئی اور بول پڑتا ہے
مرے سوا بھی سمجھتے ہیں میری بات بہت

ہمارے بعد بھی دنیا اِسی طرح ہوگی
ہمارے بعد بھی ہوں گے توہمات بہت

نہیں نہیں مری دنیا فریب خانہ نہیں
نہیں نہیں مری دنیا کو ہے ثبات بہت

بھرا ہُوا ہے ستاروں سے آسماں اجمل
ابھی زمین پہ ہونے ہیں حادثات بہت

☆

نگاہ کے لیے نظّارۂ جہاں کم ہے
سو یہ کھُلا کہ مری عمر، رائگاں کم ہے

کھُلا کہ محرمِ آسائشِ حیات ہوں مَیں
مگر سلیقۂ آرائشِ زیاں کم ہے

وہ دیکھ خاک اُڑاتے ہیں محرمانِ وصال
نظر اُٹھا کہ یہاں وقفۂ اماں کم ہے

ستارہ ہے مری تعلیم کے لیے روشن
سوال کر کہ مجھے مہلتِ بیاں کم ہے

ہر ایک جا وہی عالم ہے بے ثباتی کا
بلا خرامیٔ عمرِ رواں کہاں کم ہے

نگار خانہ نیرنگ ہے زمیں اجمل
کہ اُس کی جلوہ نمائی کو آسماں کم ہے

☆

بجھ گیا رات وہ ستارہ بھی
حال اچھا نہیں ہمارا بھی

یہ جو ہم کھوئے کھوئے رہتے ہیں
اِس میں کچھ دخل ہے تمہارا بھی

زندگی ہے تو جی رہے ہیں ہم
زندگی ہے تو ہے خسارہ بھی

ڈھونڈنا آپ کو ہر اک شے میں
دیکھنا وسعتِ نظارہ بھی

ڈوبنا ذات کے سمندر میں
ہے یہ طوفان بھی کنارہ بھی

اب مجھے نیند ہی نہیں آتی
خوب تھا خواب کا سہارا بھی

لوگ جیتے ہیں کس طرح اجمل
ہم سے ہوتا نہیں گزارا بھی

☆

پریشاں اور کچھ دن تک رہیں گے
یہ امکاں اور کچھ دن تک رہیں گے

یہ دنیا اور کچھ دن تک رہے گی
یہ مہماں اور کچھ دن تک رہیں گے

تماشا اور کچھ دن تک رہے گا
سو حیراں اور کچھ دن تک رہیں گے

کبھی آئینہ ٹوٹے گا کبھی خواب
ہراساں اور کچھ دن تک رہیں گے

زمیں پر ہم ستارے آسماں پر
نمایاں اور کچھ دن تک رہیں گے

نہ سینے میں یہ دل جلتا رہے گا
نہ ہم یاں اور کچھ دن تک رہیں گے

بہم ہوں گے نہ ابر و باد اجمل
بیاباں اور کچھ دن تک رہیں گے

☆

تیرے سوا کسی کی تمنا کروں گا مَیں
ایسا کبھی ہوا ہے جو ایسا کروں گا مَیں

گو غم عزیز ہے مجھے تیرے فراق کا
پھر بھی اِس امتحان کا شکوہ کروں گا مَیں

آنکھوں کو اشک و خوں بھی فراہم کروں گا اور
دل کے لیے بھی درد مہیّا کروں گا مَیں

راحت بھی رنج، رنج بھی راحت ہوئی جب، تو پھر
کیا اعتبارِ خواہشِ دنیا کروں گا مَیں

رکھا ہے کیا جہان میں یہ اور بات ہے
یہ اور بات ہے کہ تقاضا کروں گا مَیں

یہ رہ گزر کہ جائے قیام و قرار تھی
یعنی اب اِس گلی سے بھی گزرا کروں گا مَیں

یعنی کچھ اس طرح کہ تجھے بھی خبر نہ ہو
اِس احتیاط سے تجھے دیکھا کروں گا مَیں

ہے دیکھنے کی چیز تو یہ التفات بھی
دیکھو گے تم گریز بھی ایسا کروں گا مَیں

حیران و دل شکستہ ہوں اِس حالِ زار پر
کب جانتا تھا اپنا تماشا کروں گا مَیں

ہاں کھینچ لوں گا وقت کی زنجیر پاؤں سے
اب کے بہار آئی تو ایسا کروں گا مَیں

☆

نہیں ہے دوسرا کوئی جہاں میں
بسی ہے لامکانی اِس مکاں میں

سمندر کی طرف جاتا ہے دریا
رواں ہے تشنگی آبِ رواں میں

قیامت ہے اُجڑنا شہرِ دل کا
دراڑیں پڑ گئیں دیوارِ جاں میں

خدا جانے کہاں کھویا گیا ہے
اُسی کو ڈھونڈتا ہوں ہر نشاں میں

مَیں اب جو خاک اُڑاتا ہوں زمیں پر
ستارے ٹانکتا تھا آسماں میں

نکلتا ہوں کبھی اپنی حدوں سے
اُلجھتا ہوں کبھی کارِ جہاں میں

دُکھوں کی دھوپ ڈھلتی ہی نہیں ہے
رہوں کب تک میں غم کے سائباں میں

ابھی کچھ روز ہی گزرے ہیں اجمل
بہار آئی ہوئی تھی گلستاں میں

☆

مسکرانا تو سب کو آتا ہے
یاں مگر کون مسکراتا ہے

اب مجھے کچھ نظر نہیں آتا
اب مجھے راستہ چلاتا ہے

ڈوب جاتا ہے چاند آخرِ شب
اور پھر دل بھی ڈوب جاتا ہے

کون آتا ہے اِس خرابے میں
اِس خرابے میں کون آتا ہے

موسم آتا ہے دل پہ وحشت کا
پھر یہ موسم گزر بھی جاتا ہے

وہ جو اک شخص یاد آتا تھا
ہاں وہی شخص یاد آتا ہے

رات آنکھوں میں کاٹ لیتے ہیں
کارِ دنیا میں دن سماتا ہے

تم بھی ہوتے ہو رات خلوت میں
کون اتنے قریب آتا ہے

آپ کیوں بے قرار رہتے ہیں
آپ کو کون یاد آتا ہے

دل کی بے اختیاریاں مت پوچھ
روٹھ جاتا ہے مان جاتا ہے

کیوں دکھاتا ہے آئنہ مجھ کو
کیوں مجھے خاک میں ملاتا ہے

سخت مشکل ہے کارِ عشق اجمل
یاں خسارے میں دل ہی جاتا ہے

☆

اندھیرا دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں
تو پھر کیا دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں

دل اپنا راستہ خود ڈھونڈتا ہے
تماشا دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں

جہاں صبحِ تمنا کھوگئی تھی
وہ رستہ دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں

مرے دل تک گزر اُس کا نہیں ہے
جو دنیا دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں

سحر سے شام ہوجاتی ہے اجمل
تماشا دیکھتی رہتی ہیں آنکھیں

☆

کیا ضروری ہے یہی نالہ و فریاد رہے
ہم تجھے بھول بھی سکتے ہیں ، تجھے یاد رہے

دل کبھی ذہن کو خالی نہیں ہونے دیتا
اِس خرابے میں کہاں تک کوئی آباد رہے

بھولنا ہی تھا سو وہ عہدِ وفا بھول گیا
بے وفائی کے سب انداز اُسے یاد رہے

گُلِ ہر شاخ ہو پیوستۂ امکانِ بہار
ہم رہیں یا نہ رہیں ، وہ ستم ایجاد رہے

درد اس طرح مرے دل میں رہے ہے اجمل
سینۂ سنگ میں جُوں تیشۂ فرہاد رہے

☆

آپ کو بھی تو کوئی لمحہ دیکھ
تُو نے دیکھا نہیں دوبارہ دیکھ

آگہی کی کوئی تو راہ نکال
آئنہ دیکھ یا زمانہ دیکھ

دل، کہ شاید تجھے نظر آئے
نظر آئے تو یہ نظارہ دیکھ

دیکھ کیا کیا اُجڑ گئے ہیں ہم
دیکھ اے خوگرِ تماشا دیکھ

سُن صدائے دل شکستہ سُن
آ گزارشِ گہہِ تمنا دیکھ

دیکھ رفتارِ عالمِ ایجاد
نیند میں چل رہی ہے دنیا دیکھ

آنے والی روتوں کا رستہ ڈھونڈ
یا گزرگاہِ عہدِ رفتہ دیکھ

کھول آنکھ اِس فریب خانے میں
دیکھنے کے لیے ہی دنیا دیکھ

راستے میں کھڑی ہوئی ہے شام
اِس حوالے سے خود کو زندہ دیکھ

نیند میں جاگتے ہوئے اجمل
خواب کو خواب سے زیادہ دیکھ

☆

بعدِ یک عمر نہیں کوئی پریشانی کیا
موت پیدا کرے میرے لیے آسانی کیا

آپ بے سود ہی بے حال ہوئے جاتے ہیں
ختم ہوگی کسی تدبیر سے ویرانی کیا

تنگ ہوں اپنے ہی آئندہ و امروز سے مَیں
تُو سناتا ہے مجھے اپنی پریشانی کیا

کم نہیں میری نگاہوں کے لیے ماہ و نجوم
نئی تعمیر پہ ہوگی مجھے حیرانی کیا

مانعِ پرسشِ احوال تغافل جو نہیں
راہ روکے ہوئے بیٹھی ہے پشیمانی کیا

مجھ سے آنکھیں نہ چُرائیں ترا آئینہ ہوں
تجھ سے دیکھی نہیں جاتی مری عریانی کیا

خاک ہونا ہے بہرحال سبھی کو اجملؔ
موت کے سامنے درویشی و سلطانی کیا

☆

آگے بھی لگا ہوا ہے بازار
اے راحتِ دہر کے خریدار

دریا تو وہاں بھی بہہ رہا ہے
دیکھو تو نظر اُٹھا کے اُس پار

کچھ بھی تو نہیں ہے قیمتِ دید
ہو بھی تو مگر کوئی خریدار

آدم کی سرشت ہی نہ بدلی
دنیا تو بدل چکی کئی بار

آسان کہاں وفا کی راہیں
دشوار بہت ہے منزلِ یار

غافل ہیں حیاتِ جاوداں سے
یہ عرصۂ عمر کے گرفتار

شاید کہ تجھے نظر نہ آئے
دیکھا ہے جو مَیں نے رنگِ بیمار

بس عمر تمام ہوچلی ہے
اک لمحۂ زندگی ہے درکار

اُبھرے تھے یہاں بھی عکس کیا کیا
ٹوٹا ہے یہ دل بھی آئنہ وار

ہے وعدۂ وصل یاد اجمل
یاں صبح سے شام کے ہیں آثار

☆

یہ جو تصویر میں اشکوں کی فراوانی ہے
غم نہیں ہے یہ کوئی اور پریشانی ہے

کیا ہو بے مہریٔ دل دار سے اندیشۂ مرگ
جان لیوا مرے حالات کی یکسانی ہے

دیکھ تصویرِ تمنا سی بنی ہے تصویر
دیکھ یہ مَیں ہوں مری بے سروسامانی ہے

سہل کس درجہ ہے دشوارئ ہستی مت پوچھ
کچھ جو مشکل ہے تو بس یہ ہے کہ آسانی ہے

شرحِ احوالِ جہاں دیکھیے آخر کیا ہو
اِس تماشے کا تو آغاز ہی حیرانی ہے

کوئی نظّارہ نہیں، کوئی تماشائی نہیں
اِن فضاؤں میں اداسی ہے نہ ویرانی ہے

تو، کہ آئینۂ عالم کا نظارہ کر لے
مگر آسان کہاں اپنی نگہبانی ہے

دیکھ اِس بحر کو اے محرمِ اسرارِ سکوت
جو بھڑک اُٹھنے کو ہے آگ یہی پانی ہے

بے یقینی سے ہے آرائشِ عالم اجمل
کس کو معلوم نہیں ہے کہ جہاں فانی ہے

☆

نظر آ رہے ہیں جو تنہا سے ہم
سو یوں ہے کہ بھر پائے دنیا سے ہم

نہ پروا ہمیں حالِ بے حال کی
نہ شرمندہ عمرِ گذشتہ سے ہم

بھلا کوئی کرتا ہے مُردوں سے بات
کہیں کیا دلِ بے تمنا سے ہم

نظر میں ہے جب سے سراپا ترا
جبھی سے ہیں کچھ بے سروپا سے ہم

کوئی جل پری کیا، پری بھی نہ آئی
مگر خوش ہوئے رات دریا سے ہم

تماشائے شش جہت ہیں سو ہیں
خود اپنے لیے بھی تماشا سے ہم

سمجھنا تھا دنیا کا یوں بھی محال
سمجھتے تھے دنیا کو دنیا سے ہم

☆

یہ جو رہتا ہوں خامشی سے مَیں
خوش نہیں ہوں یہاں کسی سے مَیں

تنگ ہے میری بے دلی سے وہ
اور دل کی شکستگی سے مَیں

اب کوئی فرق ہی نہیں پڑتا
گزر آیا غم و خوشی سے مَیں

کوئی میرے قریب کیا آتا
دور ہوتا نہیں کسی سے مَیں

تُو نے جب پہلی بار دیکھا تھا
تیرا بیمار ہوں جبھی سے مَیں

دیر تک بے نیاز کیوں رہتا
اُن لبوں کی شگفتگی سے مَیں

موت آجائے گی مجھے اک دن
جیت جاؤں گا زندگی سے مَیں

جس کا تا عمر انتظار کیا
ڈر رہا ہوں اب اس گھڑی سے مَیں

دور ہے منزلِ وجود اجمل
اور بے حال ہوں ابھی سے مَیں

☆

صبر کر صبر، ایسی عجلت کیا
اِس دو روزہ خوشی سے آگے چل

آ نکل آ حصارِ ہستی سے
چل فریبِ خودی سے آگے چل

وقت کب انتظار کرتا ہے
دیر مت کر ابھی سے آگے چل

☆

حال اب کچھ ہے اور اب کچھ ہے
بے قراری سی بے سبب کچھ ہے

اِن دنوں رنگ ہے عجب اپنا
اِن دنوں ڈھنگ ہی عجب کچھ ہے

آج اِس بے دلی کے عالم میں
آرزوئے وصال سب کچھ ہے

جابجا ہے وفورِ عیش و طرب
دل ہمارا ہی بے طلب کچھ ہے

راحتِ رنج ہو کہ عیشِ نشاط
آدمی کے لیے ہی سب کچھ ہے

خواہشِ مرگ کے سوا اجمل
دل میں اپنے بچا ہی کب کچھ ہے

☆

اِس کا مرض کچھ اور ہے اِس کی دوَا کچھ اور
اِس آدمی کو چاہیے آب و ہَوا کچھ اور

آگے ہی دل سے ہاتھ اُٹھانا محال تھا
اُس شوخ نے کیا ہے ہمیں مبتلا کچھ اور

آئینہ تھا، نہ حیرتِ آئینہ خواہ تھی
تم تھے تو اِس نظر کے مقابل نہ تھا کچھ اور

سُن اے حریفِ امن دلوں کی صدا بھی سُن
کہتی ہے بے زبانیٔ خلقِ خدا کچھ اور

حیراں ، نقوشِ پائے فنا دیکھتے ہوئے
اِن راستوں میں ڈھونڈ رہی ہے ہَوا کچھ اور

دنیا فریب خانۂ ادراک ہے ، تو ہو
درپیش آج کل ہے مجھے مسئلہ کچھ اور

اے محرمِ نگاہ ذرا دل کو تھام رکھ
یہ لوگ چاہتے ہیں مجھے دیکھنا کچھ اور

کس کس طرح سے رنگ بدلتی ہے کائنات
اب دیکھیے نگاہ دکھاتی ہے کیا کچھ اور

نے عمرِ لازوال نہ آزادیٔ خیال
کچھ اور چاہیے مجھے روزِ جزا کچھ اور

قانع نہ ہو کہ بس صلۂ نذرِ دل ہے یہ
یہ اور ہے کہ جاں کا ملے گا صلہ کچھ اور

اجمل ہر اک گماں سے پرے ہے مقامِ ذات
اچھا نہیں ہے اُس کے لیے سوچنا کُچھ اور

☆

تیری دنیا میں رہوں یا غمِ ہستی میں رہوں
کون سے شہر بسوں، کون سی وادی میں رہوں

دل بھی سینے میں ہے دنیا بھی ہے اطراف مرے
کس بلندی پہ رہوں، کون سی پستی میں رہوں

طورِ اس دل کے کسی طور بدلتے ہی نہیں
یاں سے نکلوں کہ اِسی وہم کی وادی میں رہوں

درد کو دین کہوں، رنج کو راحت جانوں
غم کی شادی میں جیوں ہوش کی مستی میں رہوں

کبھی بہہ جاؤں خیالوں کی فراوانی میں
اور کبھی عافیتِ لفظ و معانی میں رہوں

ہاں خوش آتے ہیں خموشی کے ترانے مجھ کو
پھول سا بَن میں کِھلوں خار سا بستی میں رہوں

تُو نے اک آن بھی تنہا نہیں چھوڑا مجھ کو
اور مَیں ہوں کہ خیالِ رخِ گیتی میں رہوں

خاک اوڑھے ہوئے چوبیس برس بیت گئے
اور کب تک اِسی آغوشِ تباہی میں رہوں

☆

جو درد دل میں نہیں ہے یہیں کہیں ہوگا
کہاں رہے گا کہ آخر کو دل نشیں ہوگا

بھٹکتا ہوگا کہیں دھیان، دل کے رستے میں
کسی خیال، کسی خواب کے تیئں ہوگا

جب ایک روز ستارے بھی ٹوٹ جائیں گے
یہ آسمان بھی آسودۂ زمیں ہوگا

خراب کردۂ راہِ خیال ہوں اجمل
مرے تیئں بھی کسی بات کا یقیں ہوگا

☆

کہیں اور جانا ہے | یہ دنیا تو رستہ ہے
یہاں نام رہ جائے | عبث یہ تمنا ہے
یہ کاغذ کی کشتی ہے | اِسے ڈوب جانا ہے
سبھی یاں بدلتے ہیں | تُو ہی ایک سچا ہے
سبھی یاں بھکاری ہیں | تُو ہی ایک داتا ہے
سبھی بھول جاتے ہیں | تُو ہی یاد رکھتا ہے
سبھی میں ہے پنہاں تُو | سبھی میں ہویدا ہے
کوئی بھی زمانہ ہو | ترا ہی زمانہ ہے
جو دل سے نظارہ ہو | تو ہر سُو تماشا ہے
خموشی کے رستے پر | سمندر بُلاتا ہے

نہیں ہے اگر کوئی — تو کیوں یہ اُجالا ہے
یہ شب کیسے ڈھلتی ہے — یہ دن کیوں نکلتا ہے
کہیں صبح ہوتی ہے — کہیں چاند نکلا ہے
خیالوں کی بستی میں — مسرّت کا ڈیرا ہے
نہیں ہے اگر کوئی — یہ سب کیسے ہوتا ہے
تو کیا وصل ممکن ہے؟ — جو یوں ہے تو اچھا ہے
ابھی کیا زمانہ تھا — ابھی کیا زمانہ ہے
ابھی کیا کہانی تھی — ابھی کیا فسانہ ہے
نرالی ادائیں ہیں — منانے سے روٹھا ہے
مَیں کانٹوں پہ چلتا ہوں — وہ پھولوں کا رسیا ہے
محبت محبت ہو — جو یوں ہو تو کیسا ہے
میں سب بھول جاتا ہوں — وہ جب یاد آتا ہے

☆

خوشی کی ایک گھڑی کے لیے ترستا تھا
یہی وہ دل ہے کہ آماج گاہِ دنیا تھا

نہیں ہے تیرہ نصیبی تو اور کیا ہے یہ
اُسی کو بھول گئے جس کو یاد رکھنا تھا

ترے بغیر شبِ ماہ بھی اندھیری تھی
وہ تیرگی تھی کہ سایا نہ ساتھ دیتا تھا

جو جاگتا نظر آتا ہے وہ بھی نیند میں ہے
جو سو رہا ہے ابھی اور جاگ سکتا تھا

بڑے جتن بڑی مشکل سے ہوش آیا ہے
ہمارے سر میں بھی دیوانگی کا سودا تھا

ترے وصال کی خواہش بھی ایک خواہش تھی
ترے خیال کا نشہ بھی ایک نشہ تھا

ہوا ہجومِ شکایت میں روزِ حشر تمام
تمام عمر کی محرومیوں کا رونا تھا

کوئی نہیں تھا طلب گارِ زندگی اجمل
غرض کہ جو بھی تھا امیدوارِ دنیا تھا

☆

جو تم کو خیالِ وفا کچھ نہیں
تو ہم کو بھی تم سے گلہ کچھ نہیں

کوئی مسئلوں میں گرفتار ہے
کسی کے لیے مسئلہ کچھ نہیں

طرف دار تیرا جو پایا اسے
تو ہم نے بھی دیکھا سُنا کچھ نہیں

امیدیں بھی ہیں آرزوئیں بھی ہیں
ہمارے مقدّر میں کیا کچھ نہیں

زمین و فلک ماہ و مہر و نجوم
فریبِ نظر کے سوا کچھ نہیں

☆

خون روتا ہوں کبھی، خاک اُڑاتا ہوں کبھی
بھول کر بھی مَیں تجھے یاد دلاتا ہوں کبھی

تیرے بسنے کے لیے، تیرے ٹھہرنے کے لیے
صاف کرتا ہوں کبھی، دل کو سجاتا ہوں کبھی

کوئی سنتا ہی نہیں، کوئی سمجھتا ہی نہیں
بات کرتا ہوں کبھی ، شعر سناتا ہوں کبھی

شاید ایسا ہو، مجھے بھول گیا ہو اجمل
یہ بھی ممکن ہے، اُسے یاد بھی آتا ہوں کبھی

☆

مثالِ سحر سے شبِ تار ہو کر
جو تم کو خوشی ہے تو خاک اِس خوشی پر

اک اندیشۂ خواب گھیرے ہوئے ہے
سو ممکن ہے اب نیند آئے نہ یکسر

بہت دن اسیری میں بھی رہ لیا مَیں
ہُوا چاہتا ہوں بس اب خود سے باہر

خموشی کے نغمے خوشی کے ترانے
میں سنتا ہوں اکثر سناتا ہوں اکثر

☆

بے خودی نے تو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا مجھے
ہوش آیا تو مَیں دامن کو گریبان کیا

بے قراری کی جگہ بے دلی افتادہ ہے
مَیں نے اچھا نہ کیا درد کا درمان کیا

کبھی منزل کو گزرگاہ بنایا اجمل
واپسی کا کبھی رستے ہی سے اعلان کیا

☆

صیدِ اندیشۂ آیندہ ہوئی جاتی ہے
زندگی خوف سے وابستہ ہوئی جاتی ہے

ہر نفس ایک تباہی سے ہے امید مجھے
دیکھ دیوار بھی بے سایہ ہوئی جاتی ہے

شرطِ غفلت ہے یہاں دیدہ و دل کے مابین
جُوں نگہ اُٹھتی ہے شرمندہ ہوئی جاتی ہے

خس و خاشاک پہ کیا رنگ بکھیرے گی بہار
صرف اک یاد ہے جو تازہ ہوئی جاتی ہے

اب تو سایہ بھی رفاقت کا صلہ چاہتا ہے
زیست منت کشِ آئینہ ہوئی جاتی ہے

یہ مری عمر ہے یا کوئی تباہی اجملؔ
جو بہرحال بہر لمحہ ہوئی جاتی ہے

☆

پناہ ڈھونڈ رہا ہوں جہاں پناہوں میں
ہے میرا صبر بھی شامل مرے گناہوں میں

ہر ایک سمت ہُوا آئنہ حریف مرا
تمام عمر بسر کی فریب گاہوں میں

وہ فرصتیں بھی عجب تھیں کہ شام ہوتے ہی
مَیں ڈھونڈتا تھا اُسے شب گزار راہوں میں

وہ روشنی کہ ستاروں کو ماند کرتی تھی
پلٹ گئی ہے انہی شبنمی نگاہوں میں

یہ آسماں، یہ زمیں اور بے قراری دل
کوئی نہیں ہے شبِ ماہ کے گواہوں میں

اُتر رہے تھے ستارے زمین پر اجمل
سمٹ رہا تھا وہ مہ تاب میری بانہوں میں

☆

مجھ کو درپیش کوئی اور سفر آتا ہے
دل جب امکانِ تباہی سے گزر آتا ہے

جمع کرتا ہوں شب و روزِ گزشتہ اک بار
یاد کرتا ہوں کوئی یاد اگر آتا ہے

کوئی آتا ہے یہاں، شام دھواں ہوتے ہی
کوئی آتا ہے یہاں، کون مگر آتا ہے

یہ الگ بات ملاقات نہیں ہو پاتی
مَیں بھی جاتا ہوں وہاں وہ بھی اُدھر آتا ہے

بے حواسی ہے کہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے
جو پریشاں ہے وہی زندہ نظر آتا ہے

حال اپنا مَیں بہرحال چھپانا چاہوں
کیا کروں دل ہی نگاہوں میں اُتر آتا ہے

کچھ نظارے ہی پہ موقوف نہیں ہے اجمل
آدمی دیکھنا چاہے تو نظر آتا ہے

☆

تو کیا خود سے بھی شرمندہ نہیں مَیں
نہیں ایسا نہیں ، ایسا نہیں مَیں

بہت دکھ ہے تری بیگانگی کا
بہت خوش ہوں تجھے بھولا نہیں مُیں

خلش افروز ہے ہر لمحۂ ہجر
کہیں موجود بھی ہوں یا نہیں مَیں

برابر ہے مرا ہونا نہ ہونا
جو اپنے عہد میں سچا نہیں مَیں

زمانے کے موافق آتے آتے
بہت بدلا، مگر بدلا نہیں مَیں

سوالِ خوابِ غفلت آ گیا ہے
سو یوں خاموش ہوں، گویا نہیں مَیں

☆

حضوری کے قرینے بخش دے گا
وہ اپنے پاس ہی ہم کو رکھے گا

سفر آمادۂ راہِ فنا ہوں
بہانہ دیکھیے گا کیا بنے گا

سمجھ میں کیا سمائے گا کسی کی
نظر میں کیا کسی کے آسکے گا

رہے گا عرصۂ نامہرباں بھی
سو رنجِ نارسائی بھی رہے گا

یہ بستی راکھ ہوجائے گی اجمل
بس اک شعلہ مرے دل سے اُٹھے گا

☆

یہ خاک نہیں ہے کیمیا ہے
یہ وہم نہیں تو اور کیا ہے

یہ عرصۂ عمر کم رہے گا
تجھ ساتھ اگر گزارنا ہے

یہ کون بچھڑ گیا ہے مجھ سے
ہر سمت دکھائی دے رہا ہے

اب نیند مجھے بھی آ رہی ہے
اک خواب مجھے بھی دیکھنا ہے

سینے میں یہ کیسی روشنی ہے
دل ہے کہ چراغ جل رہا ہے

☆

آخر آخر یہ کھلا
مسئلہ عشق نہ تھا

رات تھی بیت گئی
خواب تھا دیکھ لیا

ہم نہ بھولیں گے تجھے
گر ہمیں یاد رہا

عرصۂ ہجر حیات
لمحۂ وصل فنا

لوگ ملتے ہی نہیں
شہر گنجان ہوا

تم جو حیران ہوئے
تم نے کیا دیکھ لیا

کتنے بے مہر ہیں ہم
تجھ سے رہتے ہیں خفا

وصل کہتے ہیں کسے
ہجر ہے کون بلا

اب مجھے ہوش نہیں
کون تھا ہوش ربا

کیا ترے ناز اُٹھائیں
دل ہی جب بیٹھ گیا

☆

ہم سے پہلے بھی بہت لوگ یہاں آئے تھے
یاں یہی دھوپ کی شدت تھی یہی سائے تھے

رات آنگن میں تھا بے خواب ستاروں کا ہجوم
اشک آنکھوں میں ہماری بھی اتر آئے تھے

دل سے پہلے مری آنکھوں نے تجھے دیکھا تھا
اشک میرے ترے ہونے کی خبر لائے تھے

آہ ! وہ طاقتِ نظّارہ کہ مفقود ہوئی
ہائے وہ رنگ کہ اُس آنکھ نے برسائے تھے

اب انہیں خاک میں ملتے ہوئے دیکھوں اجمل
جو کبھی انجم و مہتاب کے ہم سائے تھے

☆

مسکراتے ہوئے ایسے وہ مجھے دیکھے ہے
جس طرح پھول کوئی کھلتے ہوئے دیکھے ہے

آنکھ یہ جراَتِ نظّارہ کہاں سے لائے
دل تو ہر رنگ کے پردے میں تجھے دیکھے ہے

کس کو فرصت ہے کہ دیکھے گا مجھے شام ڈھلے
کون حیرت سے مجھے شام ڈھلے دیکھے ہے

دن ترے قرب کی خواہش میں گزر جاتا ہے
شب ستاروں کو ترے پاؤں تلے دیکھے ہے

خوابِ آیندہ کی تعبیر بدلنے کے لیے
زندگی روز کئی خواب نئے دیکھے ہے

جیسے آئینہ مجھے دیکھ رہا ہے اجمل
اس تمنا سے یہاں کون کسے دیکھے ہے

☆

تم دل میں ہمیں بسا سکو گے
یہ بار نشاط اُٹھا سکو گے

ہم نے تو بھلادیا ہے خود کو
کیا تم بھی ہمیں بھلا سکو گے

مانگو گے تو کیا نہیں ملے گا
چاہو گے تو کیا نہ پا سکو گے

گر زاویۂ نگاہ بدلا
خود سے بھی نظر ملا سکو گے

☆

کوئی عدیم کوئی روحِ رفتگاں جانا
مَیں جانتا تھا سو میں نے اُسے گماں جانا

وہ شامِ ہجر الجھنے لگی ہواؤں سے
جو تیری یاد نے دل کو مزاج داں جانا

حصارِ شب سے نکلتا تھا دل بہ دست کوئی
ہر ایک نے اُسے آسودۂ فغاں جانا

کیا ہے وقت نے ہم کو اسیرِ عرصۂ عمر
اِس امتحاں سے نکل کر ہے اب کہاں جانا

☆

دل کی ویرانیاں چہرے سے نمایاں کر کے
آئنہ دیکھ رہا ہے مجھے عریاں کر کے

یاں تقاضائے تمنا نے کیا ہے بے حال
آپ تو بھول گئے خواب کو امکاں کر کے

ٹک غم رفتہ و اندیشۂ آیندہ نہیں
دل کو رکھا ہے تری شان کے شایاں کر کے

سفرِ عمر کوئی سہل نہیں تھا اجمل
اور دشوار کیا عشق کو آساں کر کے

☆

شریکِ آرزو کوئی نہیں ہے
کہ جو ہم راہ ہے وہ بھی نہیں ہے

ہوئی ہے دل کے ہاتھوں بے دماغی
مرض یہ کوئی اعصابی نہیں ہے

مصیبت میں بھی تجھ کو بھول جائے
یہ دل ایسا بھی اب وحشی نہیں ہے

تمہارے خواب پورے ہو رہے ہیں
مجھے اب نیند بھی آتی نہیں ہے

کھُلے کیسے جہانِ حرف اُس پر
جو اپنی ذات کا بھیدی نہیں ہے

سما رکھو کوئی سودا بھی سر میں
فقط دیوانگی اچھی نہیں ہے

کوئی موسم ہو، کچھ عالم ہو اجمل
نمازِ دل قضا ہوتی نہیں ہے

☆

دل ہی ایسا تھا کہ دیوار بنا رہتا تھا
درِ امکان تو آگے بھی کھُلا رہتا تھا

یہ وہی ہم ہیں کہ بے کار پھِرا کرتے تھے
یہ وہی دل ہے کہ پتھر سا پڑا رہتا تھا

وقت بستی کو بیابان بنا دیتا ہے
کبھی اس راہ میں میلا سا لگا رہتا تھا

وہی محفل ہے وہی رونقِ محفل، لیکن
تیرے ہونے سے جو ماحول بنا رہتا تھا

☆

دیوار و در ایک طرح کے ہوتے ہیں
شہر کے سب گھر ایک طرح کے ہوتے ہیں

کاہکشاں ہو، کانٹے ہوں، یا پتھر ہوں
سارے بستر ایک طرح کے ہوتے ہیں

قربت، ایک اک فرق عیاں کر دیتی ہے
دور کے منظر ایک طرح کے ہوتے ہیں

بھول ہے ایک، بلندی پستی، پتّے سب
شاخ سے گر کر ایک طرح کے ہوتے ہیں

کھیل ہے سارا اپنی اپنی ہمت کا
بوجھ بدن پر ایک طرح کے ہوتے ہیں

گنتی کے کچھ لوگ ملیں گے جو اجمل
اندر باہر ایک طرح کے ہوتے ہیں

☆

ہم تمہیں خواب میں نظر آتے
یا پھر اسباب میں نظر آتے

مر نہ جاتا جو آنکھ کا پانی
رنگ سیلاب میں نظر آتے

کاش اک خواب دیکھتے ہم بھی
اور تم خواب میں نظر آتے

☆

معلوم ہوا ہے کہ یہ منزل بھی نہیں ہے
خوش ہوں کہ یہ دنیا کسی قابل بھی نہیں ہے

دنیا میں نہ رہتے ہوئے دنیا سے گزرنا
آسان نہیں ہے ولے مشکل بھی نہیں ہے

اک رنجِ تعلق کے سوا دامنِ دل میں
حاصل بھی نہیں، حسرتِ حاصل بھی نہیں ہے

کیوں نالہ کروں، آہ بھروں، عرض گزاروں
وہ جب کہ مرے حال سے غافل بھی نہیں ہے

☆

ہم اپنے آپ میں رہتے ہیں دم میں دم جیسے
ہمارے ساتھ ہوں دو چار بھی جو ہم جیسے

کسے دماغ جنوں کی مزاج پرسی کا
سنے گا کون ، گزرتی ہے شامِ غم جیسے

مری مثال تو ایسی ہے جیسے خواب کوئی
مرا وجود سمجھ لیجیے ، عدم جیسے

بھلا ہوا کہ ترا نقشِ پا نظر آیا
خرد کو راستہ سمجھے ہوئے تھے ہم جیسے

اب آپ خود ہی بتائیں یہ زندگی کیا ہے
ستم بھی اُس نے کیے ہیں مگر کرم جیسے

☆

گو کہ مشکل ہے بہت اپنا تماشا دیکھنا
اور اگر تم دیکھ سکتے ہو، تو پھر کیا دیکھنا

روز بڑھتا ہے جہاں اپنی تباہی کی طرف
دیکھنا، اب رہ گیا ہے اور کیا کیا دیکھنا

رات یوں ہوگا کہ آنکھوں میں اُتر آئے گی رات
دیکھنا چاہو اگر، تم بھی وہ لمحہ دیکھنا

ہاں ابھی تو چاند نکلا ہے ابھی کچھ دیر بعد
دیکھنا میری طرف، یعنی تماشا دیکھنا

☆

خوشی سے کھلے جا رہے ہو
کسے دیکھنے جا رہے ہو

تماشائی ہونے کی دُھن میں
تماشا ہوئے جا رہے ہو

ہے یہ کام سا کام اجمل
جسے تم کیے جا رہے ہو

☆

تغیرات کے مابین چل رہی ہے حیات
بدل رہی ہے شب و روز صورتِ حالات

بہت قریب سے دیکھا ہے آسماں مَیں نے
اب اور کیا ہوں کسی پر جُنوں کے احسانات

ہزار رنگ بدل کر بھی مُیں نہ جان سکا
کہ تیرے ہجر میں کس طرح ہو گزر اوقات

وہ ایک خواب کہ پیوند ہے اِن آنکھوں سے
دِکھا رہا ہے عجب طرح سے جہانِ ذات

سما رہی ہے ہر اک شے نگاہ میں اجمل
میں دیکھتا ہوں کہ آئینہ ہوگئی ہے رات

☆

کیسی بھی ہو افتاد پریشاں نہیں ہوتے
اب لوگ کسی بات پہ حیراں نہیں ہوتے

کچھ خواب ہیں جو نیند میں دیکھے نہیں جاتے
کچھ غم ہیں کہ چہرے سے نمایاں نہیں ہوتے

جُز گریہ کوئی کام نہیں قلب و جگر کو
پھر کیوں یہ تماشے سرِ مژگاں نہیں ہوتے

دل ہے کہ کبھی درد سے خالی نہیں رہتا
ہم ہیں کہ کبھی بے سروساماں نہیں ہوتے

ہوتا ہے یہاں روز کسی شہر کا ماتم
اس دل کی طرح دشت بھی ویراں نہیں ہوتے

اک تو ہے کہ ہم سے کوئی شکوہ نہیں کرتا
اک ہم ہیں کہ منت کشِ احساں نہیں ہوتے

اے وحشتِ یک عمر ہمیں دیکھ کہ ہم لوگ
مجنوں کی طرح چاک گریباں نہیں ہوتے

☆

دُور اِس دل سے جو دنیا کی محبت رہتی
آپ کو ہم سے ہمیں آپ سے راحت رہتی

وہ تو اَچھا ہوا زنجیرِ وفا ٹوٹ گئی
اور کچھ دیر جو ویسی مری حالت رہتی

وقت نے کب کسے چھوڑا ہے مگر کاش اے کاش
اُنہی رنگوں میں یہ تصویر سلامت رہتی

دل اگر واقفِ اسرارِ تمنا ہوتا
سر ہی رہتا نہ یہ دیوارِ ملامت رہتی

؛

☆

برائے دیدۂ دل ہے ہر ایک شے عریاں
جو یہ نہ ہو تو خود اپنا وجود بھی ہے گماں

عجب نہیں کہ کسی آن لڑکھڑا جائے
یہ کائنات بڑی دیر سے ہے رقص کناں

اب اور کیا نگہِ بے نیاز میں کم ہو
یہ مشتِ خاک کہ پہلے سے ہے بہت ارزاں

مری نگاہ کو آئندگاں سے نسبت ہے
سو دیکھتا ہوں بہت دور تک دھواں ہی دھواں

پناہ گیر ہو دل میں اگر خیال اُس کا
تو ہجر بھی ہے وصال اور یقین بھی ہے گماں

☆

ہوائے شام ترے رُخ سے کھیلتی ہے ابھی
نہ خوش گماں ہو کہ یہ بات تو نئی ہے ابھی

تمام رنگ محبت کے استعارے ہیں
نمو پذیر تمنائے زندگی ہے ابھی

مرے گمان سے آگے نکل گئی دنیا
مرے خیال کی دنیا مگر وہی ہے ابھی

کبھی کے انجم و مہ تاب محوِ خواب ہوئے
فقط فریب زدہ رات جاگتی ہے ابھی

ہزار صبحوں کی بیداریاں سمیٹے ہوئے
شبِ وصال تری راہ دیکھتی ہے ابھی

ابھی ابھی میں سبھی کچھ بدل گیا اجمل
ابھی نہیں تھی جو اِس دل کو بے کلی ہے ابھی

☆

کہ اہتمام شب و روزِ آرزو نہ کروں
اداس ہوں مگر اس درجہ بھی اداس نہیں

نہیں ہے وقت فروعاتِ زندگی کے لیے
یہی سبب ہے کہ شرمندۂ لباس نہیں

کبھی گمان کہ عریاں ہے ہر لباس میں تُو
کبھی یقین کہ تیرا کوئی لباس نہیں

ٹھہر کے دیکھ تماشائے رنگ و بُو اجمل
کچھ اتنی سہل یہ تعمیرِ بے اساس نہیں

☆

نہ آنکھیں اور نہ آئینہ رہے گا
رہے گا بس ترا چہرہ رہے گا

رہے گا تُو اگر دل میں ہمارے
تو کیا اندیشۂ فردا رہے گا

عداوت کی ہُوا چلتی رہے گی
محبت کا دیا جلتا رہے گا

یہ ویرانوں کا ویرانہ، یہ دنیا
یہاں آباد کوئی کیا رہے گا

ہم اپنے آپ میں کھوئے ہوئے ہیں
ہمارے ساتھ کوئی کیا رہے گا

نہ جانے کس طرح جانا یہ اُس نے
دُکھوں سے دل مرا بہلا رہے گا

تماشا ہی رہے گا کوئی اجمل
نہ کوئی دیکھنے والا رہے گا

☆

مل نہ سکا خدا مجھے
خوب ملی سزا مجھے

باعثِ صد ملال ہیں
خواب اور آئنہ مجھے

خوگرِ رنج ہوں کہ ہے
دل سے معاملہ مجھے

کون وفا پرست تھا
کس نے بھلا دیا مجھے

کھول دریچۂ جمال
دیکھ فریفتہ مجھے

مَیں بھی عجب جہان تھا
کوئی چھپا گیا مجھے

بس وہی میرا دوست ہے
جس نے سمجھ لیا مجھے

ہوگئے سب کے سب خموش
دیکھ کے لب کُشا مجھے

کیا تھی فقیر کی صدا
یاد نہیں رہا مجھے

پھر کسی انتظار میں
نیند نے آ لیا مجھے

☆

یہ خطۂ آراستہ، یہ شہرِ جہاں تاب
آجائے گا اک روز یہ ساحل بھی تہہِ آب

تصویرِ عمل ذوقِ سفر شوقِ فنا دیکھ
اک موج کہ ساحل کی طلب میں ہوئی سیماب

آسان بہت ہے، جو ترے دل سے نکل جائے
یہ وہم کہ عالم ہے نمائش گہہِ اسباب

شاید یہ کوئی ریزۂ دل ہے کہ سرِ چشم
مانند مہ و مہر چمکتا ہے تہہِ آب

اک عمر ہوئی پستیٔ ظلمت میں پڑا ہوں
دیکھو مجھے میں ہوں وہی ہم قریۂ مہ تاب

دنیا تو نہیں ہے مگر آغوشِ طلب میں
اک بھولی ہوئی شکل ہے کچھ ٹوٹے ہوئے خواب

جز دیدۂ دل کون تجھے دیکھ سکے ہے
محروم تری دید سے ہیں منبر و محراب

اے ناظرِ ہر ذرّہ تری ایک نظر کو
آنکھیں ہیں سو بے نور ہیں، دل ہے سو ہے بے تاب

☆

راہ مسدود نہ ہو، پاؤں میں زنجیر نہ ہو
دل ہی ایسا ہو کہ آمادۂ تقسیر نہ ہو

کاش وہ دن کبھی آئے کہ جہانِ دل میں
کوئی ہنگامہ بہ جز نعرۂ تکبیر نہ ہو

فتح کرنی ہے محبت سے دلوں کی دنیا
غیر کی طرح ترے ہاتھ میں شمشیر نہ ہو

ہو اگر تیرے ارادوں میں جہاں کی تعمیر
کیا یہ ممکن ہے کہ تو آپ جہاں گیر نہ ہو

غم ستاتا ہے تجھے دہر کی ویرانی کا
اگر ایسا ہے تو منت کشِ تقدیر نہ ہو

اِس بدلتی ہوئی دنیا کو کھُلی آنکھ سے دیکھ
یہ گزر گاہِ تماشا کہیں دل گیر نہ ہو

ہاں مگر بھول نہ جائے مجھے تہذیبِ وفا
یوں نہ ہو دل کو تری یاد بھی اکسیر نہ ہو

☆

جز دردِ ہجر دل سے کسی کی بنی نہیں
جز عشق کوئی ضابطۂ زندگی نہیں

آئینہ بن کے ٹوٹ چکا ہوں مَیں بار بار
پیشِ نگاہ اب کوئی صورت نئی نہیں

بے کار ہم خراب ہوئے اُس جہان میں
آ دیکھ یاں کسی کو بھی شرمندگی نہیں

وہ میری ایک ایک تمنا سے با خبر
اور مَیں کہ مجھ کو یاد کوئی عہد بھی نہیں

خونِ ہزار دل سے نُمو یاب ہے خیال
اجملؔ یہ حرف وصوت کی بازی گری نہیں

☆

صبا کی جان کو آتا ہوا گزرتا ہوں
کہ مَیں بھی خاک اڑاتا ہوا گزرتا ہوں

کوئی امید نہیں مجھ کو راہ گیروں سے
مگر نگاہ ملاتا ہوا گزرتا ہوں

پکار لے نہ کوئی عرصہ گاہِ فردا سے
سو نقشِ راہ مٹاتا ہوا گزرتا ہوں

نہ لوٹنے ہی پہ کچھ اختیار ہے اجمل
نہ اُس طرف سے مُیں جاتا ہوا گزرتا ہوں

☆

بہت سی سمجھنے کی باتیں سمجھ کر
مَیں نادان ایسا ہوں کھاتا ہوں ٹھوکر

ابھی تک مری راہ روکے ہوئے ہیں
سمندر کے آگے پڑے ہیں جو پتھر

ٹھہر اے نوائے سحر تک ٹھہر جا
اتر جا اتر جا مرے دل کے اندر

وہ اک روز جب تُو نے وعدہ لیا تھا
مجھے بھولتا ہی نہیں ہے وہ منظر

میں کیوں کر نکل پاؤں اِس بے دلی سے
خوشی ہی نہیں کوئی غم کے برابر

ہر چند تا حیات بقیدِ زمیں رہا
لیکن بہ یک نفس بہ خوشی تو نہیں رہا

دنیا کسی بھی طور مقابل نہ آسکی
ہر سانس انتظارِ دمِ واپسیں رہا

تنہا نہ تھے فریب گہہ آگہی میں ہم
عالم تمام عقل کے زیرِ نگیں رہا

اک بے وصال شب تھی سو وہ بھی گزر گئی
اک بے جواز دن تھا سو وہ بھی نہیں رہا

آسودگی نے سہل کیا عرصۂ نفس
کچھ دیر مطمئن بھی مَیں اپنے تئیں رہا

یاں منزلِ مراد کسی کو نہیں ملی
سیارّے گھومتے رہے سورج وہیں رہا

اپنے توہمات سے نکلا نہیں کبھی
دل آئنہ تھا عکس سے خالی نہیں رہا

☆

طویل بھی ہے فقط صبر آزما ہی نہیں
یہ رات جس میں ستاروں کا کچھ پتا ہی نہیں

نگاہِ دل کو جو رنگِ ثبات سے بھر دے
ابھی وہ پھول کسی شاخ پر کھِلا ہی نہیں

جو دیکھتا ہے، کسی کو نظر نہیں آتا
جو جانتا ہے، اُسے کوئی جانتا ہی نہیں

نظر جہان پہ ٹھہرے تو کس طرح ٹھہرے
اِس آئنے میں کوئی عکس دل رُبا ہی نہیں

لیے پھرا ہوں نہ جانے کہاں کہاں اِس کو
مگر یہ دل ہے کہ وہ راہ بھولتا ہی نہیں

وہ خواب ہوں جو کسی کو نظر نہیں آتا
وہ آئنہ ہوں جسے کوئی دیکھتا ہی نہیں

سُنا ہے ہجر بہت بے قرار کرتا ہے
ہمارے ساتھ تو ایسا کبھی ہُوا ہی نہیں

جو تیرے دل میں تمنائے وصل زندہ ہو
تو اِس حیات کو اندیشۂ فنا ہی نہیں

غزل کہی ہے تماشا نہیں کیا میں نے
جو لفظ روح میں اُترا نہیں لکھا ہی نہیں

☆

اک عمر ہوئی عالم غفلت میں پڑا ہوں
کس آگ میں جلتا ہوں کہ شعلہ نہ دیا ہوں

ازروئے تماشا مجھے دیکھا نہ کسی نے
میں ورنہ وہی آئنۂ ہوش رُبا ہوں

کچھ بھی تو یہاں قیمتِ نظّارہ نہیں ہے
دیکھو مجھے، مَیں بھی تو تمہیں دیکھ رہا ہوں

وہ خواب ہوں جس کی کوئی تعبیر نہیں ہے
جو دل سے نکلتی ہی نہیں ہے وہ دعا ہوں

اب کوئی مسیحا مجھے درکار نہیں ہے
مَیں اپنے لیے آپ مرض آپ دوا ہوں

دل تیری عنایات سے آگے نہیں جاتا
مَیں اپنی تباہی کا سبب جان گیا ہوں

آ دیکھ مجھے وقت نے بے حال کیا ہے
آ دیکھ مجھے میں وہی بے خوفِ خدا ہوں

یہ شہر بکھرتا ہی چلا جاتا ہے اجمل
مَیں بھی کہیں دیوارِ شکستہ سا کھڑا ہوں

☆

''نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی''

وہ رات نیند میں ڈوبی تھی ایک عمر کے بعد
سو یوں ہُوا کہ مجھے نیند ہی نہیں آئی

جو آسماں کی سیاہی کو بے محل کردے
ابھی نگاہ میں وہ روشنی نہیں آئی

بس ایک شام کا ہر شام انتظار رہا
مگر وہ شام کسی شام بھی نہیں آئی

بس ایک خواب میں اجمل گزر گئی شبِ عمر
یہ زندگی تو کسی کام بھی نہیں آئی

☆

گزر گئی ہے ابھی ساعتِ گذشتہ بھی
نظر اُٹھا، کہ گزر جائے گا یہ لمحہ بھی

بہت قریب سے ہوکر گزر گئی دنیا
بہت قریب سے دیکھا ہے یہ تماشا بھی

گزر رہے ہیں جو بارِ نظر اٹھائے ہوئے
یہ لوگ محوِ تماشا بھی ہیں ، تماشا بھی

وہ دن بھی تھے کہ تری خواب گیں نگاہوں سے
پکارتی تھی مجھے زندگی بھی ، دنیا بھی

جو بے ثباتیٔ عالم پہ بحث تھی سرِ بزم
میں چُپ رہا کہ مجھے یاد تھا وہ چہرہ بھی

کبھی تو چاند بھی اترے گا دل کے آنگن میں
کبھی تو موج میں آئے گا یہ کنارہ بھی

نکال دل سے گئے موسموں کی یاد اجملؔ
تری تلاش میں امروز بھی ہے فردا بھی

☆

کب دل سے تمہارے جائیں گے ہم
یاد آئیں گے، یاد آئیں گے ہم

تم دل کو ذرا سنبھال رکھنا
اک خواب تمہیں سنائیں گے ہم

ایسا بھی جنوں نہیں ہے ہم کو
کیوں ناز ترے اُٹھائیں گے ہم

رہنے دے اجل ابھی ذرا دیر
کچھ اور بھی دُکھ اُٹھائیں گے ہم

اجمل یہ فضا بدل رہی ہے
شاید ابھی مسکرائیں گے ہم

☆

کسی کو یاد وہ وعدہ نہیں ہے
تبھی تو کوئی شرمندہ نہیں ہے

کوئی چلتا نہیں ہے راستے پر
کسی کو راستہ ملتا نہیں ہے

مسلسل چیختا رہتا ہے کوئی
کوئی آواز بھی سنتا نہیں ہے

یہ دل ہی ہاتھ سے جاتا رہے گا
خیالِ یار تو جاتا نہیں ہے

ٹھہر مت دم نہ لے ئے یک دم کہ دنیا
فقط دیوار ہے سایہ نہیں ہے

مجھے بھی بھول جائے گا زمانہ
مجھے بھی یاد کچھ رہتا نہیں ہے

تم ایسے وقت میں آئے ہو اجمل
کوئی جب دیکھنے والا نہیں ہے

☆

درد کو جو دوا سمجھتے ہیں
آپ ایسوں کو کیا سمجھتے ہیں

جن کی سب کچھ سمجھ میں آتا ہے
کچھ بتائیں تو کیا سمجھتے ہیں

تم جسے زندگی سمجھتے ہو
ہم اُسے مسئلہ سمجھتے ہیں

جو کسی سے وفا نہیں کرتا
ہم اُسے بے وفا سمجھتے ہیں

لوگ ایسے بھی ہیں کہ دنیا کو
زندگی سے سوا سمجھتے ہیں

جو سمجھتے ہیں حال دنیا کا
بس وہی دُکھ مرا سمجھتے ہیں

ہم یہاں کی خوشی کو بھی اجمل
غم کا اک سلسلہ سمجھتے ہیں

☆

یہ اندھیرا نظر نہیں آتا
آپ کو کیا نظر نہیں آتا

کبھی منزل دکھائی دیتی ہے
کبھی رستہ نظر نہیں آتا

درد تو خیر کس نے دیکھا ہے
زخم بھی کیا نظر نہیں آتا

ایک ہم ہی نظر نہیں آتے
اور تو کیا نظر نہیں آتا

ایک تیرا وجود ایسا ہے
جو ادھورا نظر نہیں آتا

☆

زمیں پر آسماں کب تک رہے گا
یہ حیرت کا مکاں کب تک رہے گا

نظر کب آشنائے رنگ ہوگی
تماشائے خزاں کب تک رہے گا

رہے گی گرمیٔ انفاس کب تک
رگوں میں خُوں رواں کب تک رہے گا

سلگتا ہے بہاروں میں مرا دل
فضاؤں میں دھواں کب تک رہے گا

رہینِ انتظارِ عیشِ فردا
یہ دل بھی خوش گماں کب تک رہے گا

☆

رائگاں حرفِ دعا، عشق میں کیا جاتا ہے
ایسا لگتا ہے کہ بس دل سے خدا جاتا ہے

روز اک عالمِ حیرت سے نکلتا ہے یہ دل
یعنی پھر عالمِ حیرت میں چلا جاتا ہے

نیند آتی ہی نہیں عشق کے بیماروں کو
کبھی آتا ہے تو بس ہوش ہی آجاتا ہے

جی رہے ہیں کہ ترے وصل کی امید میں ہیں
ہجر میں تیرے بھلا ہم سے جیا جاتا ہے

ہاں کسی روز مجھے نیند بھی آجاتی ہے
ہاں کبھی جیسے مجھے صبر بھی آجاتا ہے

بات بنتی ہے تو بنتی ہی چلی جاتی ہے
کام ہوجاتا ہے ہونے پہ جو آجاتا ہے

دیکھ اے عشق مری عمر ہوئی جاتی ہے
دیکھ اے صبر مرا کام بنا جاتا ہے

☆

خوشی کی تمنا اگر کیجیے
تلاشِ جہانِ دِگر کیجیے

الجھنا تو اک شیوۂ خار ہے
جہاں تک ہو بس درگزر کیجیے

کہاں کھو دیا آپ نے اپنا آپ
تلاش آپ اپنی اگر کیجیے

اُسی کی تمنا میں دن کاٹیے
اُسی کی طلب میں سحر کیجیے

نظر کو ہو گر وہ نظارہ نصیب
دل و جاں فدائے نظر کیجیے

''حقیقت خرافات میں کھو گئی''
کہانی ذرا مختصر کیجیے

☆

ظاہر جو ہُوا ہے سب عیاں کر
مالک مجھے کل کا رازداں کر

سرکا دے ذرا یہ پردۂ عشق
منظور، نظر کا امتحاں کر

مجھ دل کو ثبات کی طلب ہے
مجھ آنکھ پہ زندگی عیاں کر

سب میرے چراغ بجھ گئے ہیں
مجھ رات کو صبحِ ضوفشاں کر

جو بھول گئے ہیں وعدۂ وصل
اب یاد اُنہیں بھی مہرباں کر

☆

سایۂ ابرِ جنوں خیز پہ تکیہ کرنا
اور پہروں کسی امکان پہ سوچا کرنا

اب نہ ملنا کبھی اُس گریہ فراموش سے تم
اور ملنا تو دل و چشم کو یکجا کرنا

راہِ بے مہر سے اِس طور گزر، چشمِ طلب
جیسے آتا ہی نہ ہو تجھ کو نظارہ کرنا

ہے گلہ مندیٔ احباب گوارہ مجھ کو
اب مرے بس میں نہیں اپنا تماشا کرنا

گریہ یونہی تو نہیں کارِ شب و روز مجھے
زیست کرنے سے سوا ہے مجھے دنیا کرنا

یاں ہر اک لمحہ بدلتی رہی کیفیتِ یاس
خوب آساں ہوا تیرے لیے وعدہ کرنا

نیند اک عالمِ غفلت ہے سراسر اجمل
خواب کیا ہے کسی تعبیر سے پردہ کرنا

☆

دل آئنہ نہیں ہو تو حیران کیسے ہو
اور اِس کے ٹوٹ جانے کا امکان کیسے ہو

کم ہے فروغِ دیدہ و دل کے لیے جہاں
تجھ سے مری نگاہ پشیمان کیسے ہو

درپیش اور بھی ہیں کئی مسئلے مجھے
مشکل یہی نہیں ہے کہ آسان کیسے ہو

دل ہی نہیں دماغ بھی یاں دردمند ہے
اجمل شمارِ حسرت و ارمان کیسے ہو

☆

منظر سے محض وہ نہیں روپوش مَیں بھی تھا
ثابت ہوا کہ زود فراموش مَیں بھی تھا

پیمائش زمان و مکاں اور حبس میں
چُپ چاپ دوسرے بھی تھے خاموش مَیں بھی تھا

کیا کیا ضرورتیں تھیں کہ پوری نہیں ہوئیں
دنیا بھی بدحواس تھی بے ہوش مَیں بھی تھا

چمٹا ہوا تھا شہر سے عفریت سا کوئی
اور ایک زاویے سے ہم آغوش مَیں بھی تھا

تقدیر سے معاملہ منظور تھا مجھے
اجمل زمیں پہ آسماں بردوش مَیں بھی تھا

☆

ہمارے حال پہ وہ شادماں نظر آیا
ہمیں بھی اِس سے زیادہ کہاں نظر آیا

رہی سہی وہ تب و تابِ پیرہن بھی گئی
کہ آئنے کے مقابل دھواں نظر آیا

مَیں جی رہا تھا شب روز کے تسلسل میں
وہ ماہ تاب مجھے ناگہاں نظر آیا

مَیں چاہتا تھا مجھے زندگی نظر آئے
سو مَیں نے دیکھ لیا تُو جہاں نظر آیا

پھر ایک رات مجھے روشنی نظر آئی
پھر ایک رات مجھے آسماں نظر آیا

☆

نہ راہی، نہ رستہ، نہ منزل، نہ رہبر
نہ سڑکوں پہ لڑکوں کے ہاتھوں میں پتھر

تقاضائے حق جن پہ واجب ہوا ہو
کروڑوں میں بھی کیا نہیں وہ بہتر

جو صدیوں کے سوئے ہوؤں کو جگا دے
کہاں سے ملے کوئی ایسا نوا گر

چلو اِس گلی سے گزر کر تو دیکھیں
کوئی جاگتا ہو کھلا ہو کوئی در

☆

میرے فلک پہ چاند ہویدا نہیں ابھی
مَیں کون ہوں کہ میرا زمانہ نہیں ابھی

اُتری نہ میری روح کے صحرا میں کوئی شام
مجھ پر تو زندگی ترا سایہ نہیں ابھی

حیرت کے سائبان میں اک خلق جمع ہے
گو دیکھنے کو کوئی تماشا نہیں ابھی

کچھ اور انتظار ابھی اے نگاہِ دہر
تیرے نصیب ہی میں اُجالا نہیں ابھی

ہاں خوش نہیں ہے کوئی یہاں اپنے حال میں
اُس بے نیاز کو کوئی سمجھا نہیں ابھی

اجمل جس اہتمام سے آباد ہے یہ دل
شاید کسی نے غور سے دیکھا نہیں ابھی

☆

یاں آ گیا تھا میں بے ارادہ
کارِ نفس ہے حد سے زیادہ

ہے راکھ ہونا تقدیر سب کی
دنیا انگیٹھی ، ہستی بُرادہ

دل میں امیدیں لب پر دعائیں
کشکول خالی دامن کشادہ

تُو بھی نہ بدلا مَیں بھی نہ بدلا
تُو بھی فتادہ میں بھی فتادہ

راہِ عمل میں کچھ تیز رو ہے
میری تباہی مجھ سے زیادہ

نذرِ سخن ہے میری جوانی
یوں ہی نہیں ہے رنگین و سادہ

☆

اجمل عجب ہے مزدوریِٔ دل
محنت بہت کم اُجرت زیادہ

☆

چمکتی دھوپ کیوں ہے، سایہ اجلا کیوں نہیں ہے
کوئی بھی شے حقیقت سے زیادہ کیوں نہیں ہے

یہ میرے روز و شب تیرے لیے کیوں مہرباں ہیں
یہ میری زندگی خود سے شناسا کیوں نہیں ہے

ہزار آسائشیں ہیں سیکڑوں گنجائشیں ہیں
تو پھر آسان اِس دنیا میں رہنا کیوں نہیں ہے

تری یادیں مری تقدیر بنتی جارہی ہیں
جہاں میں اور کوئی تیرے جیسا کیوں نہیں ہے

برائے زندگی کیا کچھ نہیں ہوتا ہے اجمل
تجھے اپنی امیدوں پر بھروسہ کیوں نہیں ہے

☆

آثار و حصارِ رہِ دنیا سے نکل کر
دیکھے تو کوئی آپ کو اشیا سے نکل کر

نکلے کوئی اندیشۂ آثارِ جہاں سے
سوچے کوئی نیرنگیٔ فردا سے نکل کر

وہ دیکھ اُدھر زیست کی آغوش کھُلی ہے
جاتا ہے کہاں عمرِ دو روزہ سے نکل کر

امیدِ کرم ہے نہ تقاضائے طلب ہے
بے حال ہوئے شہرِ تمنا سے نکل کر

☆

ختم ہونے کو ہے فسونِ حیات
منتظر ہیں کسی کے یہ دن رات

گردشِ وقت سے بہت آگے
زندگی ہوگئی ہے بعض اوقات

ایسا لگتا ہے اب کسی لمحے
کوئی دے جائے گا کسی کو مات

دل دھڑکتا ہے اِس طرح جیسے
جانتا ہو جُنوں کے احکامات

رات ہوتے ہی کوچۂ دل میں
آ نکلتے ہیں سیکڑوں خدشات

جانے کس راستے سے آتے ہیں
نیند میں جاگتے ہوئے لمحات

جانے کیوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں
موسمِ ہجر اور یہ برسات

نشۂ بے خودی غنیمت ہے
دل بہرطور چاہتا ہے ثبات

کم ہے نیرنگیٔ مہہ و انجم
ہو ہی جاتی ہے بس گزر اوقات

قربتیں خوب ہیں مگر اجمل
کون جانے کسی کے دل کی بات

☆

یہ اور بات یاد کوئی بات بھی نہیں
اجمل مگر وہ رات مجھے بھولتی نہیں

جب دور تک زمین پہ بکھرا ہوا تھا چاند
ویسی تو اب گمان میں بھی دل کشی نہیں

اُس رات زندگی کی مہک میرے آس پاس
معلوم ہو رہا تھا کہ ہے اور تھی نہیں

بس میری روح کو تو مرا جسم کھا گیا
یہ زندگی تو میرے لیے زندگی نہیں

کیونکر چھلک گیا پیمانۂ مراد
تیرے لیے یہ بات کوئی بات ہی نہیں

غم یہ نہیں کہ درد ہے دل میں بھرا ہُوا
غم تو یہ ہے کہ بات سمجھتا کوئی نہیں

☆

سچ کو تو کڑوا کہتے ہیں
چُپ رہنے کو کیا کہتے ہیں

آپ اسے ویرانی کہیے
ہم تو خمیازہ کہتے ہیں

منزل تو معلوم نہیں ہے
دنیا کو رستہ کہتے ہیں

تنہائی کا کیا قصہ ہے
اِس بارے میں کیا کہتے ہیں

سوچ سمجھ کر ہم اُس دل کو
اندیشوں کی جا کہتے ہیں

حال ہمارا جانے دیجے
آپ سنائیں کیا کہتے ہیں

دل میں کوئی بات تو ہوگی
آپ اُسے کِتنا کہتے ہیں

☆

سیکڑوں رنج بھی تھے لاکھ اذیت بھی تھی
جی لیے ہم کہ بہت اُس کی عنایت بھی تھی

اُن دنوں خواب بھی رہتے تھے مری آنکھوں میں
اور کچھ نیند میں چلنے کی شکایت بھی تھی

اُن دنوں دل بھی مرے پاس رہا کرتا تھا
مجھ قیامت کے تئیں اور قیامت بھی تھی

عشق تو خیر نہیں تھا اسے جو بھی کہیے
چاہتے بھی تھے اُسے اور محبت بھی تھی

☆

ابھی اِنہی درو دیوار کے مکیں ہو تم
جہاں مَیں چھوڑ گیا تھا تمہیں وہیں ہو تم

تمہیں ملال مرے ساتھ چھوڑ جانے کا
مجھے یہ دکھ کہ پشیمان بھی نہیں ہو تم

اُٹھے نہیں ہو ابھی رہ گزر سے دنیا کی
مگر یہ بات کہ منزل کے اب قریں ہو تم

دلیل تو ہے عمل گر نہیں دلیلِ عمل
گماں ہے جس کو یقیں کا وہ بے یقیں ہو تم

وہ آنکھ ہو کہ جسے دیکھنا نہیں آتا
تم آئنہ ہو مگر آئنہ نہیں ہو تم

حیات سب ہیں مگر تم حیات کے ہو امین
کہ تم شہید ہو گر شاہدِ مبیں ہو تم

ہر ایک رنج میں راحت ہر ایک غم میں خوشی
مگر کہاں مرے ہمراہ و ہم نشیں ہو تم

☆

وہ شہر تمام سو رہا تھا
بس ایک ستارہ جاگتا تھا

وہ آنکھ شراب سی ہوئی تھی
وہ پھول گلاب سا کھِلا تھا

آباد ہر ایک رہ گزر تھی
سب چُپ تھے سکوت بولتا تھا

اشکوں سے بھری ہوئی تھیں آنکھیں
اور درد سے دل بھرا ہوا تھا

وہ عشق نہیں تھا بے خودی تھی
وہ حسن نہیں تھا واہمہ تھا

یہ درد تو ٹھیرتا نہیں ہے
وہ زخم اگرچہ بھر گیا تھا

کچھ یاد ضرور تھا مجھے بھی
اب یاد نہیں کہ یاد کیا تھا

اب رات شروع ہو رہی تھی
وہ چاند ابھی نیا نیا تھا

تم بھی تو قریب آ گئے تھے
دل بھی تو فریب کھا گیا تھا

ہم بھی کبھی آشنا تھے خود سے
ہم سے بھی کبھی وہ آشنا تھا

دریا تو اتر گیا تھا اجمل
قسمت ہی میں ڈوبنا لکھا تھا

☆

جو اشک برسا رہے ہیں صاحب
یہ رائگاں جا رہے ہیں صاحب

یہی تغیّر تو زندگی ہے
عبث گھُلے جارہے ہیں صاحب

جو ہوگیا ہے سو ہوگیا ہے
فضول پچھتا رہے ہیں صاحب

یہ صرف گنتی کے چار دن ہیں
بڑے مزے آرہے ہیں صاحب

ابھی تو یہ خاک ہورہے گا
جو جسم چمکا رہے ہیں صاحب

کوئی ارادہ، نہ کوئی جادہ
کہاں، کدھر جارہے ہیں صاحب

اِدھر ذرا غور سے تو دیکھیں
یہ پھول مُرجھا رہے ہیں صاحب

اِسی پہ دار و مدار ہوگا
یہاں جو کر جا رہے ہیں صاحب

جہاں کی نایافت کے سبب میں
جہاں کا غم کھا رہے ہیں صاحب

یہ میں نہیں ہوں یہ میرا دل ہے
یہ کس کو سمجھا رہے ہیں صاحب

سکون کی نیند سوئیے گا
وہ دن بھی بس آ رہے ہیں صاحب

جو آپ کے ہجر مَیں ملے ہیں
یہ دن گِنے جا رہے ہیں صاحب

بس اب نہیں کچھ بھی یاد مجھ کو
بس آپ یاد آ رہے ہیں صاحب

مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے
مجھے بھی بلوا رہے ہیں صاحب

☆

کہیں زمین نہ ہٹ جائے اپنے محور سے
مَیں اپنے خواب سناتا نہیں اِسی ڈر سے

نہ ماہ تاب شبِ ماہ تاب آتا ہے
نہ کوئی خوف ہی آتا ہے اب سمندر سے

ہوا جو راہ پہ آئے تو کیا تماشا ہو
کہ اب چراغ جلائے ہیں مَیں نے پتھر سے

فلک کو نور دیا ہے مری نگاہوں نے
زمیں خراب ہوئی ہے مرے مقدر سے

ہر آن اپنی نگاہوں پہ اعتبار نہ کر
مَیں وہ نہیں جو نظر آ رہا ہوں باہر سے

مجھے بھی دیکھتے رہنا کہ مَیں بھی زندہ ہوں
مجھے بھی رنج ملے ہیں بہت مقدر سے

خوشا کہ دل ستمِ روزگار سے نکلا
مگر یہ بوجھ اترتا نہیں مرے سر سے

یہ کون چھوڑ گیا ہے فریب گاہوں میں
یہ کس نے ڈھونڈ نکالا تھا مجھ کو منظر سے

ہے جس کی دید سے قاصر جہانِ دیدۂ عقل
وہی ہوا ہے نمایاں ہر ایک پیکر سے

وہی تو ہے جو بدلتا نہیں کبھی اجملؔ
بدل رہا ہے جہاں بھی اُسی کے تیور سے

☆

روشن اِس درجہ بھی کب کوئی کہاں رہتا ہے
دل وہ خورشید کہ بے نام و نشاں رہتا ہے

ایک تم ہی نظر انداز کیے رہتے ہو
ایک عالم مری جانب نگراں رہتا ہے

غیر ہی پیشِ نظر رہتا ہے ہر دم اُس کے
میں جو کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ ہاں رہتا ہے

پاسبانی ترے غم کی کوئی آسان نہیں
راز رہتا ہے مگر راز کہاں رہتا ہے

اک تو افتادگیٔ طبع کے باعث ہوں خراب
اور اُس پر ترے ملنے کا گماں رہتا ہے

☆

دیوانگیٔ میر مجھے دیکھ رہی ہے
وہ روحِ اساطیر مجھے دیکھ رہی ہے

اک خواب میں شمشیر مجھے ڈھونڈ رہی تھی
اک وہم کہ زنجیر مجھے دیکھ رہی ہے

مَیں دیکھ رہا ہوں کہ اندھیروں کے جہاں میں
بس ایک ہی تنویر مجھے دیکھ رہی ہے

مَیں خواب زمانے کے لیے دیکھ رہا ہوں
اور خواب کی تعبیر مجھے دیکھ رہی ہے

آرائشِ دنیائے وفا کا ہوں سزاوار
آسائشِ دل گیر مجھے دیکھ رہی ہے

درپیش جسے اگلے زمانوں کا سفر ہے
وہ خواہشِ تعمیر مجھے دیکھ رہی ہے

اس خاکۂ بے رنگ میں بھرنا ہے وہی رنگ
جس رنگ میں تصویر مجھے دیکھ رہی ہے

☆

عمر گزری ہے آشنا ہوتے
خوب ہوتا جو کچھ سوا ہوتے

ہم نہ ہوتے جو تیری محفل میں
محفل زیست میں بھلا ہوتے

یاد آتے کبھی تمہیں ہم بھی
ہم بھی اے کاش واقعہ ہوتے

ہم سے پوچھے کوئی دعا کیا ہے
ہم نے دیکھا ہے معجزہ ہوتے

لطف کوئی نہ زندگی میں رہا
کاش وعدے ترے وفا ہوتے

رات اُس شہر میں اگر آتی
شہر والے چراغ پا ہوتے

ہو کے بھی کچھ نہ ہوسکے جب ہم
کچھ نہ ہوتے تو کیا خدا ہوتے

نامرادی، سلامتی ٹھہری
ٹوٹ جاتے جو آئنہ ہوتے

کیا سنائیں کہ بات ایسی تھی
آپ سنتے تو بے مزا ہوتے

ہوگئے ہم خراب و خوار کہ ہم
اس خرابے میں اور کیا ہوتے

کبھی آتا جو سامنے اجمل
ہم تو سو جان سے فدا ہوتے

☆

کیا کچھ ہوں اور کہتا ہوں کچھ بھی نہیں ہوں مَیں
گویا بہت بلند کچھ اپنے تئیں ہوں مَیں

لازم ہے اعتبار کہ جینا بھی ہے مجھے
ورنہ کہیں کہیں تو بہت بے یقیں ہوں مَیں

کیا کیا نمو کی صورتیں مفقود ہوگئیں
دیکھو مجھے کہ خوردۂ نانِ جویں ہوں مَیں

روکے ہوئے ہوں خود کو گناہوں سے اِس طرح
جیسے یہاں نہیں ہوں ابھی تک وہیں ہوں مَیں

اجمل اب اور کوئی مسافت محال ہے
اپنے توہمات میں ایسا مکیں ہوں مَیں

☆

کسی کے ہجر میں جینا محال ہوگیا ہے
کیسے بتلائیں ہمارا جو حال ہوگیا ہے

کہیں گِرا ہے نہ روندا گیا ہے دل، پھر بھی
شکستہ ہوگیا ہے پائمال ہوگیا ہے

سحر جو آتی ہے شب کے تمام ہونے پر
تو اس میں کون سا ایسا کمال ہوگیا ہے

کوئی بھی چیز سلامت نہیں مگر یہ دل
شکستگی میں جو اپنی مثال ہوگیا ہے

اُدھر چراغ جلے ہیں کسی دریچے میں
ادھر وظیفہ ٔ دل بھی بحال ہوگیا ہے

حیا کا رنگ جو آیا ہے اس کے چہرے پر
یہ رنگ حاصلِ شامِ وصال ہوگیا ہے

مسافتِ شبِ ہجراں میں چاند بھی اجمل
تھکن سے چور غموں سے نڈھال ہوگیا ہے

☆

سُنی ہے چاپ بہت وقت کے گزرنے کی
مگر یہ زخم کہ حسرت ہے جس کے بھرنے کی

ہمارے سر پہ تو یہ آسمان ٹوٹ پڑا
گھڑی جب آئی ستاروں سے مانگ بھرنے کی

گرہ میں دام تو رکھتے ہیں زہر کھانے کو
یہ اور بات کہ فرصت نہیں ہے مرنے کی

بہت ملال ہے تجھ کو نہ دیکھ پانے کا
بہت خوشی ہے تری راہ سے گزرنے کی

بتاؤ تم سے کہاں رابطہ کیا جائے
کبھی جو تم سے ضرورت ہو بات کرنے کی

☆

رد کردیا اس نے اک نظر میں
ہم سے جو ہُوا تھا عمر بھر میں

ہم بھی ہیں تری طرح مسافر
ہوتا ہے قیام بھی سفر میں

جاگے تو ہوئے ہیں دیر سے ہم
ہوں گے کسی خواب کے اثر میں

اب ذکر شب فراق اجمل
کیا کیجیے عمر مختصر میں

خوش ہوگئے بام و در ہمارے
آیا جو کبھی وہ گھر ہمارے

دستار رکھی ہے جب سے سر پر
کاندھوں پہ نہیں ہے سر ہمارے

مانا کہ یہ درد ہے ہمارا
یہ زخم نہیں مگر ہمارے

جب دل میں ہمارے درد جاگا
سب سوگئے چارہ گر ہمارے

اس بت میں ہوئی نہ کوئی جنبش
بے کار گئے ہنر ہمارے

ہم کو ہے بہت عزیز اجمل
دل میں ہے جو ایک ڈر ہمارے

☆

کسی کی قید سے آزاد ہو کے رہ گئے ہیں
تباہ ہو گئے برباد ہو کے رہ گئے ہیں

اب اور کیا ہو تمنائے وصل کا انجام
دل ودماغ تری یاد ہو کے رہ گئے ہیں

کہیں تو قصہ احوال مختصر یہ ہے
ہم اپنے عشق کی روداد ہو کے رہ گئے ہیں

کسی کی یاد دلوں کا قرار ٹھہری ہے
کسی کے ذکر سے دل شاد ہو کے رہ گئے ہیں

ترے حضور جو رشک بہار تھے اجمل
خراب وخوار ترے بعد ہو کے رہ گئے ہیں

☆

وہ لمحے کہاں ہاتھ آسکتے ہیں
مگر آپ خود کو گنواسکتے ہیں

کھلا ہے یہ ہم پر ترے ہجر میں
کوئی دکھ بھی ہو ہم اٹھاسکتے ہیں

ابھی تک ہے دل آئینے کی طرح
جو دیکھے کوئی تو دکھاسکتے ہیں

بلا کر ہمیں اس نے اتنا کہا
بہت شکریہ آپ جاسکتے ہیں

سمجھ لیجیے ہم نے دیکھا نہیں
نظر آپ ہم سے ملا سکتے ہیں

یہ دہر اور آلائش دہر ہے
مگر آپ دامن بچاسکتے ہیں

یہ اجملؔ کبھی ہم نے سوچا نہ تھا
وہ اتنے بھی نزدیک آسکتے ہیں

بات کیا دل سے گزر جاتی ہے
موج ساحل سے گزر جاتی ہے

دن کسی طرح گزرتا ہی نہیں
رات مشکل سے گزر جاتی ہے

ختم ہوتا ہی نہیں ہے یہ سفر
راہ منزل سے گزر جاتی ہے

یاد آتی ہے تری جب اجملؔ
موج ساحل سے گزر جاتی ہے

☆

شام اپنی بے مزا جاتی ہے روز
اور ستم یہ ہے کہ آجاتی ہے روز

کوئی دن آساں نہیں ہے جاتا مرا
کوئی مشکل آزما جاتی ہے روز

مجھ سے پوچھے کوئی کیا ہے زندگی
میرے سر سے بلا جاتی ہے روز

جانے کسی کی سرخروئی کے لیے
خُوں میں یہ دھرتی نہا جاتی ہے روز

دیکھنے والوں کو شاید زندگی
رنگ کتنے ہی دکھا جاتی ہے روز

گیت گاتے ہیں پرندے صبح و شام
یا سماعت چہچہا جاتی ہے روز

کون بتلائے ہمیں اجمل سراج
وہ گلی آتی ہے یا جاتی ہے روز

☆

خوف انجانا ٹھہر گیا ہے
دل ویرانہ ٹھہر گیا ہے

اُس کے لبوں پر آتے آتے
ایک بہانہ ٹھہر گیا ہے

بات یہاں تک آ پہنچی ہے
آنا جانا ٹھہر گیا ہے

ٹھہر گیا ہے دل کا جانا
"دل کا جانا ٹھہر گیا ہے"

اب میری دہلیز پہ آکر
ایک زمانہ ٹھہر گیا ہے

نئے گھروں کی دیواروں پر
رنگ پُرانا ٹھہر گیا ہے

اجمل تیرے چُپ رہنے سے
غم افسانہ ٹھہر گیا ہے

☆

شکستہ، دل ہمارا، ہورہا ہے
سمندر کیوں کنارا ہورہا ہے

یہ آنکھیں کیوں چھلک آئی ہیں یکدم
یہ دل کیوں پارہ پارہ ہورہا ہے

جسے ہم دوست رکھنا چاہتے ہیں
وہی دشمن ہمارا ہورہا ہے

خسارے میں ترقی ہورہی ہے
ترقی میں خسارہ ہورہا ہے

گرا تھا جو تری آنکھوں سے اجمل
وہ آنسو اب ستارہ ہورہا ہے

☆

پیش جو آیا سرِ ساحلِ شب بتلایا
موجِ غم کو بھی مگر موجِ طرب بتلایا

رنگ محفل کا عجب ہوگیا جس دم اُس نے
خامشی کو بھی مری حسنِ طلب بتلایا

ہے بتانے کی کوئی چیز بھلا نام و نسب
ہم نے پوچھا نہ کبھی نام نسب بتلایا

یوں ہی آیا تھا ترا ذکر کہیں اور ہم نے
جو ترے باب میں معلوم تھا سب بتلایا

یہ اُداسی کا سبب پوچھنے والے اجملؔ
کیا کریں گے جو اُداسی کا سبب بتلایا

☆

میں نے اے دل تجھے سینے سے لگایا ہُوا ہے
اور تو ہے کہ مری جان کو آیا ہُوا ہے

بس اِسی بوجھ سے دُہری ہُوئی جاتی ہے کمر
زندگی کا جو یہ احسان اُٹھایا ہُوا ہے

کیا ہوا گر نہیں بادل یہ برسنے والا
یہ بھی کچھ کم تو نہیں ہے جو یہ آیا ہُوا ہے

راہ چلتی ہوئی اِس راہ گزر پر اجمل
ہم سمجھتے ہیں قدم ہم نے جمایا ہُوا ہے

ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم بھول گئے ہیں اُس کو
آج بے طرح ہمیں یاد جو آیا ہُوا ہے

وہ کسی روز ہواؤں کی طرح آئے گا
راہ میں جس کی دیا ہم نے جلایا ہُوا ہے

کون بتلائے اُسے اپنا یقیں ہے کہ نہیں
وہ جسے ہم نے خدا اپنا بنایا ہُوا ہے

یوں ہی دیوانہ بنا پھرتا ہے ورنہ اجمل
دل میں بیٹھا ہوا ہے ذہن پر چھایا ہُوا ہے

☆

خرد کی فتنہ سامانی سے پہلے
بڑی رونق تھی ویرانی سے پہلے

☆

اِس خاک کو پہلے کیمیا کر
پھر جو بھی کہے دل کیا کر

☆

بس نورِ آگہی مرے سینے میں ڈال دے
مالک مجھے فریبِ ہنر سے نکال دے

☆

بے خیالی میں تجھے دیکھ لیا تھا ہم نے
اب یہ عالم ہے کہ ہر نقش ادھورا سا لگے

☆

جو اپنے آپ میں کھویا رہے گا
تو اس کے ساتھ کوئی کیا رہے گا

☆

کچھ خبر ہو مجھے اُن مقامات کی
تُو جہاں دیکھنا چاہتا ہے مجھے

☆

ہم اُس گلی سے گزرتے ہیں بار ہا لیکن
اب اُس گلی سے گزرنا عجیب لگتا ہے

کبھی جو خواب میں ہم خواب دیکھ لیتے ہیں
یہ اتفاق بھی کتنا عجیب لگتا ہے

☆

خوش تجھ سے کیا ہوئے کہ کہیں کے نہیں رہے
جز تیرے ہم نے اور بھی سبھی کو بھلا دیا

☆

تھی ہمیں تو آپ سے نسبت عزیز
دل تو یوں بھی ٹوٹ جایا کرتے ہیں

اجمل عجیب سی ہے فضا حبس ہے نہ ابر
ایسے میں کیا بہانہ آوارگی بنے

آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اس نے
ہم نے طوفان اٹھا کر دیکھا

کم ہے جو کچھ ہے سردست وسرِ چشم یہاں
اور اس میں گزر اوقات بھی ہوسکتی ہے

رنگ ہی رنگ تھے کچھ معنی و مفہوم نہ تھا
اب جو دیکھا تو وہ تصویر سمجھ میں آئی

نیند آئی ہی نہیں رات ذرا بھی اجمل
مگر اک خواب کی تعبیر سمجھ میں آئی

☆

ایک ہی رنگ میں رہے ایک ہی حال میں رہے
تیرے فراق میں بھی ہم تیرے وصال میں رہے

☆

خون دن تھے کہ ترا نام بھی معلوم نہ تھا
کون سی آج ہمیں تیری ادا یاد نہیں

☆

جانے کیا وعدہ و پیمان ہوئے صبح ازل
کچھ مجھے یاد نہیں ہے، بخدا یاد نہیں

☆

دل لگا رہتا ہے وہیں میرا
ہاں یہاں کوئی بھی نہیں میرا

چونکتا ہوں ہر ایک آہٹ پر
وقت آیا نہ ہو کہیں میرا

☆

دکھائی دیتے ہیں اسباب جابجا اجمل
مگر نہیں ہے کوئی بھی سبب حقیقت کا

پلک جھپکنے کی مہلت نہیں ملی اجمل
کہ در کھلا ہی رہا خواب میں بھی حیرت کا

شاہنواز فاروقی

غم کے مصلّے پر نمازِ فراق پڑھتا ہوا آدمی

فراق نے غزل کو انتہاؤں کا سلسلہ کہا ہے۔ ان کے اس بصیرت افروز تبصرے اور تجزیے پر کیا اضافہ کیا جاسکتا ہے، البتہ توضیحاً اتنی بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ اردو غزل کا مجموعی مزاج اور سرمایہ انتہاء کی انتہاؤں تک محدود نہیں، بلکہ اردو غزل کی روایت ابتداء اور درمیان کی انتہاؤں کے سلسلوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ فارسی غزل کے مقابلے پر اردو غزل کا سب سے بڑا امتیازی وصف یہی ہے۔ اس وصف سے اردوغزل کے سیکڑوں رنگ اور لہجے ہی نہیں وہ فروتنی بھی پیدا ہوتی ہے جو فارسی غزل کے بلند آہنگ لب ولہجے کے مقابلے پر آدم زادوں کو زیادہ زیب دیتی ہے۔ اردو غزل کی اس زندہ روایت میں اضافے کا اعزاز تو کم لوگوں کو حاصل ہوا ہے، لیکن محض اس روایت کا حصہ ہونا بھی کم اہم بات نہیں، کیونکہ روایت کا حصہ ہونے کا مطلب انتہاؤں کے کسی نہ کسی دائرے اور ان دائروں کے کسی نہ کسی مرحلے سے ''کسبِ شعر'' کرنا ہے۔ اجمل سراج کی شاعری کا سب سے اہم پہلو یہی ہے کہ وہ اردو غزل کی زندہ روایت کا حصہ ہے اور اُسے انتہاؤں کے کئی سلسلوں پر خون جگر صرف کرنے کی توفیق اور جرات نصیب ہوئی ہے۔

اردو غزل کی زندہ روایت ایک بسیط حقیقت ہے۔ اس میں وہ ''تغزل'' بھی ہے جسے زبان و بیان کے حسن سے لے کر تشبیہات واستعاروں اور نقاہت آلود لفظوں تک بہت سی چیزوں میں تلاش کیا جاتا ہے، لیکن جو وجود اور تجربے کی مختلف سطوں پر انفس

وآفاق کی یکجائی کے ایک جلوے کے سوا کچھ نہیں۔ اس حقیقت میں فکرو احساس کے وہ زاویے بھی ہیں جو میر غالب اور اقبال سے ہوتے ہوئے فیض، ناصر کاظمی، عزیز حامد مدنی، سلیم احمد اور احمد نوید تک آتے آتے ایک بڑا دائرہ بناتے ہیں۔ اس روایت میں وہ ذہن اور ذہنیت بھی ہے جو میر، غالب، اقبال، فیض اور ان کے بعد کی شاعری میں خطِ امتیاز کھینچتی ہے۔ اس روایت میں اور بہت کچھ ہے، لیکن اجمل کی شاعری بنیادی طور پر تغزل اور ذہنیت کے اعتبار سے اس روایت سے زیادہ متصل ہے۔ ان دونوں معنوں میں اس کی شاعری کا سلسلہ نسب بالآخر میر کی شاعری سے جا ملتا ہے۔ اجمل نے میر، غالب، اقبال، مدنی یہاں تک کہ انور شعور سے بھی کچھ نہ کچھ سیکھا ہے، لیکن اس کا تخلیقی جوہر ہر تاثر کو منقلب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس صلاحیت سے اجمل کا وہ لہجہ پیدا ہوا ہے جو اسے اپنے معاصرین میں ممتاز کرتا ہے۔ اس لہجے ،اس آواز کو اجمل نے ''مرمر کے پالا ہے۔''

اجمل کی شاعری ایک چھوٹا سا دائرہ بناتی ہے۔ چھوٹے سے دائرے کا مفہوم چھوٹی سی کائنات ہے۔ ایک ایسے دور میں جب تضاد کو تنوع اور ہم آہنگی کو یکسانیت سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ چھوٹے دائرے اور چھوٹی کائنات کی بات کہنا خطرے سے خالی نہیں اس لیے وضاحتاً عرض ہے کہ اجمل کی شاعری چھوٹا سا دائرہ ضرور بناتی ہے، لیکن یہ دائرہ ادھورا نہیں، مکمل ہے۔ زندگی اور ادب میں اصل اہمیت تکمیل اور کلّیت ہی کی ہے، چند انچ کی مکمل کائنات سیکڑوں میل پر محیط اور ادھوری کائنات پر بہر حال فوقیت رکھتی ہے۔

اجمل کے مجموعے کا آغاز خواہ کہیں سے ہوتا ہو لیکن اس کی شاعری اور شخصیت کی خدوخال تشکیل دینے والی شاعری کا آغاز ایک ایسی غزل سے ہوتا ہے جس کا پہلا شعر اور اس کی بھرپور کیفیت قاری کو اجمل اور اس کی شاعری کے بارے میں گمراہ کرسکتی ہے۔

اور تو خیر کیا رہ گیا
ہاں مگر اِک خلا رہ گیا

ظاہر ہے کہ اگر خلا کے سوا کچھ باقی ہی نہیں رہ گیا تو پھر تو بات ہی ختم ہوگئی، مگر

پریشانی کی کوئی بات نہیں، یہ خلا ''خالی'' نہیں، اس میں بہت کچھ ہے۔ پہلی بات تو یہی کہ اس خلا میں سانس لینے والے انسان کے دل میں دردِ بے انتہا رہ گیا اور کہیں ایک دریچہ بھی کھلا رہ گیا، اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ موصوف کو اگر چہ بہت کام تھے، مگر اس کے باوجود ان کا ہاتھ دل پر دھرا رہ گیا۔ بڑی حیران کن بات ہے، خلا سے دوچار انسان کے ساتھ یہ واقعہ کس طرح پیش آیا؟

زندگی سے تعلق مرا
ٹوٹ کر بھی جڑا رہ گیا

یہاں ایک سوال کی شکل میں جدلیاتی صورتحال پیدا ہوتی ہے۔ کیا زندگی سے تعلق ٹوٹ کر بھی اس لیے جڑا رہ گیا کہ ہاتھ دل پر دھرا رہ گیا تھا یا دل ہاتھ اس لیے دھرا رہ گیا کہ زندگی سے تعلق ٹوٹ کر بھی جڑا رہ گیا تھا؟ اجمل کے سلسلے میں یہ دونوں باتیں غلط نہیں، کیونکہ اجمل کی شاعری میں دل اور زندگی ہم معنی الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہاں بات استعارے تک پہنچی ہے تو دل زندگی کا اور زندگی کا استعارہ بن کر سامنے آتی ہے۔ یہ غزل نہ صرف یہ کہ اجمل کی شخصیت اور شاعری کے کئی بنیادی خدو خال ہمارے سامنے لاتی ہے، بلکہ ان کی تفہیم کے سلسلے میں بھی کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔

پہلی نظر میں اجمل کی غزلیں ایک ایسی آرٹ گیلری کا منظر پیش کرتی ہیں جس کی دیواروں پر مدھم رنگوں سی بنی ہوئی دل غم، درد، حسرتوں، بے ثباتی اور گریے کو ظاہر کرنے والی نیم تجریدی تصاویر آویزاں ہیں، اس آرٹ گیلری کے باہر اور اندر ایک دھند سی بھی پھیلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ دھند کیا ہے اس سوال کا جواب آگے فراہم ہو رہا ہے۔ یہاں کہنے کی اصل بات یہ ہے کہ یہ اجمل کی شاعری کی زیادہ سچی تصویر نہیں، زیادہ سچی تصویر وہ ہے جس میں اجمل غم کے ''مصّلے'' پر ''نمازِ فراق'' پڑھتا نظر آتا ہے، نماز کے بعد وظیفہ بھی اجمل کے معمولات میں شامل ہے، جس میں ہاتھ کے پوروں کو وہ تسبیح کے دانوں کی طرح استعمال کرتے ہوئے دل، غم درد، حسرتوں آرزوؤں اور بے ثباتی کا ورد کرتا ہے، اور ایسا کرتے ہوئے اس کا دامن ہی نہیں دامنِ دل بھی گریے سے بھیگ

بھیگ جاتا ہے، تو معلوم ہوا کہ آرٹ گیلری کے اندر اور باہر پھیلی ہوئی دھند فراق کی کیفیت کے سوا کچھ نہیں، بعض لوگ ''غم کے مُصَلّے''، ''نمازِ فراق'' اور دل، غم اور حسرتوں کے وظیفے کی بات پر چونک سکتے ہیں اور اسے کئی نام دے سکتے ہیں، لیکن ذرا ٹھہریے، اصل بات صرف اتنی سی ہے کہ اجمل نے دل، غم درد، حسرتوں، آرزوؤں اور بے ثباتی کے مسائل و معاملات کو اس طرح لکھا ہے اور اس کے یہاں فراق کی کیفیت کچھ اس طرح ظاہر ہوئی ہے کہ اس میں ایک طرح کی مذہبیت کے در آنے کا عمل اتنا ہی فطری ہے جتنا سانس لینے کا عمل۔ اس مذہبیت کا ایک رخ یہ ہے کہ اجمل کے غم، درد اور حسرتیں اس کے اندر کلبیت پیدا نہیں کرتیں۔ وہ انتہائے کار انہیں قبول کرتا نظر آتا ہے، اس قبولیت کے مختلف مرحلے اور زاویے ہیں۔

یوں بھی دشوار نہیں میرے لیے قیدِ حیات
تم جو ہوتے تو ذرا سی مجھے آسانی تھی

O

یہ ایک درد جو دل کے لیے بہت کم ہے
میں سوچتا ہوں کہ یہ بھی اگر نہیں ہوتا

O

زندگی ہے تو جی رہے ہیں ہم
زندگی ہے تو ہے خسارہ بھی

O

اجمل کی شاعری میں فراق کا مسئلہ بیک وقت کئی سطحوں اور مرحلوں سے متعلق ہے۔

آخر آخر یہ کھلا
مسئلہ عشق نہ تھا

O

یہ جو اس آنکھ میں اشکوں کی فراوانی ہے
غم نہیں ہے یہ کوئی اور پریشانی ہے

O

یہ کون بچھڑ گیا ہے مجھ میں
ہر سمت دکھائی دے رہا ہے

O

عرصۂ ہجر حیات
لمحۂ وصل فنا

O

سمندر کی طرف جاتا ہے دریا
رواں ہے تشنگی آبِ رواں میں

گویا بات جسم سے شروع ہو کر محدود (Finite) سے لا محدود (Infinite) کی جانب سفر تک پہنچتی ہے۔ یہاں بھی اجمل اپنا دائرہ مکمل کرتا ہے اور یوں ایک اور در سے اس کے فراق میں مذہبیت در آتی ہے۔

فراق کا ذکر ہو تو یہ سوال اٹھانا ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا وصل سے کیا تعلق ہے؟ یہاں اجمل کا مسئلہ یہ ہے کہ وصل اس کے لیے خواہش ہے، آرزو ہے، شعور ہے، حسرت ہے، مگر تجربہ نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ پھر اجمل کا فراق کہاں سے پیدا ہوا ہے؟ وصل خواہش ہو تو خواہش کی عدم تکمیل سے حسرت پیدا ہوتی ہے۔ تصوّر ہو تو تصوّر کے ٹوٹنے سے بے چینی اور بیزاری پیدا ہوتی ہے، لیکن وصل آرزو بن جائے تو آرزو کی عدم تکمیل سے ملال اور فراق کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اجمل نے فراق کے تجربے سے مواد بہت کم بنایا ہے، البتہ اتجربے نے اجمل کی شاعری کے لہجے اور فضا کی تکمیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

اجمل کی شاعری میں محبت کا تجربہ ابھی ٹھیک طرح سے شروع بھی نہیں ہونے پاتا

کہ ختم ہو جاتا ہے۔ صرف تجربے کی گونج باقی رہ جاتی ہے، جس سے وہ خلا وجود میں آتا ہے جس کی طرف ہم ابتدا میں اشارہ کر چکے ہیں۔ اجمل کی شاعری میں محبت کے تجربے کے جو ''شواہد'' بکھرے پڑے ہیں انہیں جمع کر کے ایک تناظر میں دیکھا جائے تو بکھرے ہوئے تجربات کے باہمی ارتباط سے بڑی حد تک ایک مکمل تصویر سامنے آ جاتی ہے، آیئے آرٹ گیلری میں لگی ہوئی اس تصویر کو دیکھیں۔

نظر میں ہے جب سے سراپا ترا
جبھی سے ہیں کچھ بے سر و پا سے ہم

O

نرالی ادائیں ہیں
منانے سے روٹھا ہے

O

دیر تک بے نیاز کیوں رہتا
ان لبوں کی شگفتگی سے میں

O

تم بھی ہوتے ہو رات خلوت میں
کون اتنے قریب آتا ہے

O

خیالوں کی بستی میں
مسرت کا ڈیرا ہے

O

تو کیا وصل ممکن ہے
جو یوں ہے تو اچھا ہے

O

میں کانٹوں پہ چلتا ہوں
وہ پھولوں کا رسیا ہے

○

وہ بھی دن تھے کہ تری خواب گیں نگاہوں سے
پکارتی تھی مجھے زندگی بھی دنیا بھی

○

ترے وصال کی خواہش بھی ایک خواہش تھی
ترے وصال کا نشہ بھی ایک نشہ تھا

○

کاش اک خواب دیکھتے ہم بھی
اور تم خواب میں نظر آتے

○

ہے دیکھنے کی چیز تو یہ التفات بھی
دیکھوگے تم گریز بھی ایسا کریں گے ہم

○

کیا ضروری ہے یہی نامہ و فریاد ہے
ہم تجھے بھول بھی سکتے ہیں تجھے یاد رہے

○

بھولنا ہی تھا سو وہ عہدِ وفا بھول گیا
بے وفائی کے سب انداز اسے یاد رہے

○

قربت ایک اک فرق عیاں کردیتی ہے
دُور کے منظر ایک طرح کے ہوتے ہیں

O

اس تصویر میں اجمل اور اس کے محبوب کی نفسیات اور سماجیات کی تفصیلات تو موجود نہیں لیکن ان کے اشارے موجود ہیں، یہ کئی اعتبار سے ایک افسوسناک تصویر ہے، لیکن اس کے باوجود یہ تصویر غزل پر نیم وحشی صنفِ سخن کی پھبتی کسنے والوں کا مُنھ چڑاتی نظر آتی ہے۔

اجمل کی محبت کا آغاز اور انجام خواہ کچھ بھی رہا ہوں، لیکن وہ محبت سے مایوس نہیں، کیونکہ وہ اپنے وجود کی پوری سچائی کے ساتھ کہتا ہے۔

عداوت کی ہوا چلتی رہے گی
محبت کا دیا جلتا رہے گا

مگر یہاں محبت کا مطلب اجمل یا کسی اور کی انفرادی محبت نہیں، یہ عمومی محبت ہے اور اس محبت پر اجمل کا اعتبار قائم ہے۔ یہ اعتبار اجمل کی شاعری ہی کی نہیں اس کی شخصیت کی بھی سب سے بڑی قوّت ہے۔

عدم تحفظ کا احساس اجمل کی شاعری میں زلزلے کے جھٹکوں کی طرح حرکت کرتا نظر آتا ہے۔ اس احساس کی نوعیت اس پر اس کی شدت کے حوالے سے غور کریں تو یہ بات عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ اس کا محبوب کی محبت کے نام کام تجربے سے کوئی تعلق نہیں۔ اتنے شدید احساس کی جڑیں صرف بچپن میں پیوست ہوسکتی ہیں، کیونکہ بچپن ہی ایسا زمانہ ہوتا ہے جب کوئی تجربہ نہایت آسانی کے ساتھ انسان کے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ یہ عمل جوانی اور پختہ عمر میں بھی ہوسکتا ہے، مگر ان ادوار میں انسان تجربے کی کسی نہ کسی حد تک مزاحمت کرتا ہے اور اگر وہ انسان شاعر ہو تو اس کی شاعری میں اس مزاحمت کے آثار تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ اجمل کی شاعری میں ایسے آثار کا سراغ نہیں ملتا، اس احساس اور تجربے نے اجمل کی شاعری کو کیسے کیسے اور کہاں کہاں متاثر کیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں۔

سجا ہوا ہے جہانِ تعلقات بہت

یہ اور بات کے دنیا ہے بے ثبات بہت

O

یہ کاغذ کی کشتی ہے
اسے ڈوب جانا ہے

O

قربتیں خوب ہیں مگر اجمل
کون جانے کسی کے دل کی بات

اجمل کی زبان اس کی ایک بڑی قوّت ہے اور اس سے اس نے بڑا کام لیا ہے، لیکن زبان کی قوّت ادب اور خاص طور پر شاعری میں دودھاری تلوار کی طرح ہوتی ہے۔ زبان کی قوت کے تخلیقی استعمال سے جہاں معجزہ! فن وجود میں آتا ہے وہیں زبان کی قوّت کے بے جا استعمال سے ہمیشہ ایسا کرافٹ پیدا ہوتا ہے جس میں اگر شاعر کو مزا آنے لگے تو اس کی سرحدیں شاعری کی موت اور استادی کے غیر اعلانیہ اعلان سے جا ملتی ہیں۔ اجمل اگر چہ زبان کی قوت کے بے جا استعمال پر مائل نہیں، لیکن اسے اس سلسلے میں احتیاط برتنے کا مشورہ دیا جاسکتا ہے۔

اجمل کی شاعری پندرہ بیس سال کا معاملہ ہونے کے باوجود ایک سانس کی شاعری ہے۔ اگر چہ اس کے اس مجموعے میں بیشتر غزلیں شامل ہیں اور ان غزلوں میں مختلف بحریں برتی گئی ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کی تمام غزلیں ایک بڑی اور مسلسل غزل کا احساس دلاتی ہیں۔ اجمل نے بڑی بحروں میں بھی غزلیں کہی ہیں، لیکن اس کی چھوٹی بحروں پر مشتمل غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ عسکری صاحب نے کہا ہے کہ شاعر کے شاعرانہ جوہر چھوٹی بحر ہی میں کھلتے ہیں اور اس کا سارا کھایا پیا سامنے آجاتا ہے، یہ بات درست ہے لیکن چھوٹی بحر کا معاملہ شاعر کی تخلیقی توانائی کی نوعیت اور مقدار کے مسئلے سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ اجمل کے یہاں چھوٹی بحروں پر انحصار کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی تخلیقی

توانائی میں شعلے کی طرح بھڑکنے اور بھڑک کر زیادہ روشن ہونے کی بجائے ایک لو کی طرح ظاہر ہونے کا پیٹرن ملتا ہے۔

اجمل نے آزاد نظمیں بھی کہیں ہیں اور ان میں کچھ اچھی بھی ہیں، مگر اردو میں کامیاب آزاد نظم ایک طرح کے انحرافی رجحان کے بغیر نہیں لکھی جا سکتی۔ یہ انحراف، عقیدے، خیال، جذبے، احساس، تجربے، تناظر کہیں بھی موجود ہو سکتا ہے۔ اجمل کا مسئلہ یہ ہے کہ اردو غزل کی روایت اس کے خون میں شامل ہے اور وہ اس سے چاہ کر بھی بغاوت نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ اس کی نظمیں بھی غزل کے شعروں کی طرح ہیں۔ ان نظموں میں اگر کوئی خاص بات ہے تو صرف یہ کہ ان سے اجمل کی شخصیت کے ان گوشوں کا اظہار ہوتا ہے جو اس کی شخصیت میں ہمیشہ سے موجود تھے، لیکن جو حالیہ برسوں میں نمایاں ہوئے ہیں۔ پناہ، کشمری مجاہدین کے نام اور شاہد مبین اس کی شخصیت کے انہی گوشوں کے اظہار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اجمل کی شاعری ایک مکمل دائرہ بناتی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو اجمل کی شاعری کو امتیاز عطا کرتی ہے، لیکن دائرے کی تکمیل میں ایک خطرہ بھی مضمر ہے۔ اجمل کو یا تو مرکز اور محیط کے اصول پر اس دائرے کے گرد ایک اور نیا دائرہ بنانا ہوگا یا پھر اس دائرے کی حتمی الامکان توسیع یا اس میں نئے نقش و نگار بنانے پر توجہ دینی ہوگی۔ بصورت دیگر وہ اپنی شاعری کے ساتھ اور اس کی شاعری اس کے ساتھ زیادہ عرصے تک نہیں چل سکے گی۔

شاعر میں لہجے کی انفرادیت خلق کرنا کھیل نہیں۔ اگر یہ انفرادیت کوئی ''اعزاز'' ہے تو یہ اعزاز ہزاروں میں دو چار ہی کو حاصل ہو پاتا ہے اور بلا شبہ اجمل نئی نسل کے ان دو ڈھائی شاعروں میں سے ایک ہے جنہوں نے حقیقی معنوں میں انفرادی لہجہ پیدا کر کے دکھایا ہے۔ لہجے کی انفرادیت کئی چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ انفرادیت صرف زبان یا بیان کی دین ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کے یہاں تجربے کی انفرادیت لہجہ کی انفرادیت خلق کر دیتی ہے۔ بعض شاعر مخصوص لفظوں، استعاروں یا تشبیہات کے ذریعے

لہجہ کی انفرادیت پیدا کر لیتے ہیں لیکن حقیقی انفرادیت اپنی کلیّت کے شعور کا حاصل ہوتی ہے۔ اجمل کے لہجے کی انفرادیت ایک ایسی ہی انفرادیت ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت اجمل کی شاعری کے لہجے کی تہذیب ہے، جو نرمی، گداز اور ایک نوع کے معصومانہ انداز سے عبارت ہے اور جس میں ڈھلتی ہوئی شام کی سی کیفیت ہے۔ اس تہذیب کا ایک اور اہم پہلو ہے، اجمل کی خود کلامی۔ اب یوں کہنے کو تو ایک اعتبار سے دنیا کی ساری شاعری ہی خود کلامی سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اجمل کے یہاں یہ خود کلامی ایک طرز حیات بن کر اس کے لہجے تک میں در آئی ہے۔ یہاں میں اسے حوالے سے اجمل کے شعروں کی مثالیں نہیں دوں گا۔ البتہ یہ ضرور عرض کروں گا کہ اردو کے شاعروں میں خود میں کھوئے ہوئے یا خود میں ڈوبے ہوئے آدمی کے ماڈل کو ''فیشن'' کا درجہ حاصل ہے چنانچہ کتنے ہی لوگ سر کے بال اور شیو بڑھا کر خود کو اس ماڈل سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ اور توفیق ہو تو اس حالت میں کھنچوائی گئی اپنی تصویروں کو اپنے مجموعوں کے بیک کور پر شائع کراتے ہیں۔ اس نوع کے کئی اور پوز ادیبوں اور شاعروں میں مقبول ہیں۔ ان تصاویر سے خود میں کھوئے ہوئے آدمی کے بجائے شہرت کی ہوس میں ڈوبے ہوئے آدمی کا خاکہ ابھرتا ہے، لیکن اجمل کی خود کلامی اس نوع کی کاوش کا حاصل نہیں۔ یہ خود کلامی اجمل کی شاعرانہ شخصیت کے درخت سے ایک شاخ کی طرح برآمد ہوتی ہے۔ یہ اجمل کی ایک اور بڑی قوّت ہے اور اس کے ذریعے اجمل اپنی سماجیات، اقتصادیات یہاں تک کہ اپنی نفسیات کے بعض مسائل کو فطری انداز میں پھلانگنے میں کامیاب رہا ہے۔ کہنے کو اجمل کا کہنا یہ ہے۔

تم جسے زندگی سمجھتے ہوں
ہم اسے مسئلہ سمجھتے ہیں

لیکن اجمل کی شاعری میں زندگی مسئلہ نہیں ''معاملہ'' نظر آتی ہے۔ اس کے بغیر اجمل کی شاعری کے لہجے کی انفرادیت اس کی تہذیب 'نرمی' گداز اور خود کلامی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

نظم و نثر کے نئے انداز

دنیا زاد

کتابی سلسلہ

سال میں تین کتابیں

خصوصی اشاعتیں

عاشق من الفلسطین

سیاسی سماجی تجزیہ اور نظم و نثر کا انتخاب

دنیا دنیا دہشت ہے

تجربے سے تجزیے تک

میں بغداد ہوں

موجودہ صورت حال کا ادبی تناظر

نئی آوازیں

دھوپ اپنے حصے کی

(شاعری)

عشرت آفرین

تکرار ساعت

(غزلیں)

عرفان ستار

یہاں کچھ پھول رکھے ہیں

(شاعری)

شاہدہ حسن

یادیں بھی اب خواب ہوئیں

(شاعری)

فاطمہ حسن

درِ خواب

(غزلیں)

انعام ندیم

اور کہاں تک جانا ہے

(شاعری)

اکبر معصوم

تمام کتابیں بغیر مالی فائدے
کے پی ڈی ایف کی جاتی ہیں۔
مصنف سے ہمارا متفق ہونا
ضروری نہیں۔

سید حسین احسن۔
فیس بک گروپ
کتابیں پڑھئے۔
03146951212
03448183736